دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
سرپرستی: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ۲۳	لہ دعوۃ الحق	فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ
شمارہ نمبر ۱۱	ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک — قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار	۳۴۰ / ۳۴۱
ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ		۴۳۵
اگست ۱۹۸۸ء	مدیر ــــ مولانا **سمیع الحق**	کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں ۴۰/- روپے سالانہ — فی پرچہ ۴ روپے

بیرون ملک ہوائی ڈاک ۶ پونڈ — ہوائی ڈاک ۱۰ پونڈ سالانہ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقش آغاز

شریعت آرڈیننس

اور

سینٹ میں اس کا مفصل تجزیہ

صدر پاکستان کا حالیہ شریعت آرڈیننس سینٹ کے حالیہ اجلاس میں غور و فکر کے لئے زیر بحث رہا۔ محرک شریعت بل سینیٹر مولانا سمیع الحق مرکزی سیکرٹری جنرل جمعیت علماء اسلام نے ۲۷ اگست ۸۸ء کو صبح کے اجلاس میں سینٹ میں اس موضوع پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے حسب ذیل خطاب فرمایا۔ جسے ہم سینٹ سیکرٹریٹ کے شعبہ رپورٹنگ کے ضبط کردہ شکل میں پیش کر رہے ہیں اس خطاب میں شریعت آرڈیننس کی خامیوں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے (ادارہ)

مولانا سمیع الحق - بسم اللہ الرحمن الرحیم - جناب چیئرمین صاحب! شریعت آرڈیننس کے بارے میں ملک میں تین قسم کے نقطۂ نظر اب تک سامنے آئے ہیں

نفاذ شریعت اور تین نقطہ نظر | تین قسم کے خیالات ہیں۔ ایک تو اس ملک میں وہ طبقہ ہے جو درحقیقت اس ملک میں دین کی بالادستی اور اسلام کی بات کو سننا تک گوارا نہیں کرتا اور وہ اس ملک کو ایک سیکولر اور لادینی سٹیٹ دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ طبقہ جو دین دشمن عناصر کا طبقہ ہے وہ تو ابتدائی دن سے اس ملک میں شریعت کی بات سننے کو تیار نہیں ہے اور جہاں کہیں شریعت کی بات آجائے وہ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ لوگوں کو سڑکوں پر نکال لیتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں اور کبھی عورتوں کے حقوق کی آڑ میں، کبھی کسی آڑ میں پورے اسلام کو، پوری شریعت کو، پورے قرآن وسنت کو اسلامی قوانین کو اسلامی حدود کو چیلنج کرتے ہیں اور اس کے خلاف نعرہ بازی کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ طبقہ تو اس ملک میں اور اس نظریاتی مملکت میں رہنے کا حقدار ہی نہیں ہے۔ یہ ایک اسلامی ملک ہے اور اسلامی نظام کے لئے بنایا گیا ہے اور بے تحاشا قربانیاں دی گئی ہیں۔ اس ملک میں جب بھی نافذ ہوگا تو اسلام ہی نافذ ہوگا اور اس ملک

ہیں جب تک شریعت کی بالادستی قائم نہیں کی جائے گی تو جن مسلمانوں نے قربانیاں دی ہیں وہ رائیگاں رہیں گی۔

اس وقت شریعت آرڈیننس کے نام سے جو چیز سامنے آئی تو کچھ لوگوں نے فوراً اس کو مسترد کر دیا۔ ان کو اس مسئلے سے دلچسپی نہیں ہے کہ یہ چونکہ ضیاء الحق نے نافذ کیا ہے اگر اسے جونیجو نافذ کرتا تو مان لیتے ان کو سرے سے شریعت کے نام سے چڑ ہے۔ تو ہم اس طبقے میں بھی نہیں ہیں اور اس طبقے سے بھی بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ایک طبقہ وہ ہے جو خوشامدی اور درباری قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور حکومت کی طرف سے جو بھی بات سامنے آجائے خواہ اس میں کوئی حقیقت ہو یا نہ ہو۔ اس میں کوئی وزن ہو یا نہ ہو۔ اس میں کوئی مثبت یا انقلاب آفریں باتیں ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ اخبارات کے ذریعے، ٹی وی کے ذریعے مبارک سلامت میں لگ جاتے ہیں۔ اس شریعت آرڈیننس کے بارے میں بھی بعض لوگوں نے مبارک سلامت کا طوفان مچا دیا کہ واقعی اس ملک میں شریعت نافذ ہوگئی اور شریعت کی بالادستی آگئی اور انہوں نے یہ تک نہیں دیکھا کہ شریعت آرڈیننس ہے کیا؟ نہ اس کا مطالعہ کیا لیکن فوراً شور مچا دیا اور مبارک سلامت شروع ہوگئی کہ اسلامی انقلاب آگیا ہے۔ اب عوام کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے تو ہم اس طبقے سے بھی نہیں ہیں۔

شریعت پہلے سیاست بعد میں | ہم نے ہمیشہ سیاست کو ثانوی نظر سے دیکھا ہے ہم اس ملک میں شریعت کی بالادستی چاہتے ہیں خواہ وہ پارٹی سسٹم کے ذریعے ہو جائے یا نان پارٹی سسٹم کے ذریعے ہو جائے خواہ مارشل لاء کے ذریعے ہو یا خواہ جمہوری اداروں کے ذریعے ہو۔ ہم مارشل لاء کی تحسین نہیں کرتے لیکن اگر ہمیں شریعت کی بالادستی مارشل لاء سے بھی ملتی ہے تو اس کو بھی خوش آمدید کہتے ہیں۔ کہ شریعت ہمیں چاہئے۔ اگر جمہوری حکومت اگر شریعت کو پس انداز کرتی ہے اور اس کو نظر انداز کرتی ہے تو ہم نے اس جمہوری حکومت سے بھی لڑائی لڑی ہے اور تین سال ہم جونیجو گورنمنٹ سے اور آٹھ سال سے ضیاء الحق صاحب سے بھی الجھے ہوئے ہیں۔ اس معاملے میں ہم نے کوئی مفاہمت نہیں کی نہ مداہنت کی ہے نہ ترغیب میں آئے ہیں۔ نہ ترہیب میں آئے ہیں۔ نہ لالچ میں آئے ہیں۔

شریعت آرڈیننس اور متوازن راستہ | تو شریعت آرڈی ننس کے بارے میں بھی ہم نے یہی محتاط رویہ اختیار کیا۔ اور ہم نے کہا کہ ایک متوازن رائے سامنے آجائے۔ ہم نے شریعت آرڈی ننس کو مسترد بھی نہیں کیا۔ ہم نے شریعت آرڈیننس کی موجودہ شکل میں تحسین بھی نہیں کی بلکہ ہم نے بڑے غور سے اس کا جائزہ لیا کہ شریعت آرڈی ننس سے واقعۃً جو مقاصد ہیں وہ پورے ہوتے ہیں یا نہیں؟ تو ہمیں بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جو چیز ہم چاہتے ہیں

شریعت بل کے لئے طویل جدوجہد | اور جس شریعت بل کو ہم نے معزز ایوان کے سامنے رکھا تھا اور جس کے لئے ہم نے تین سال مسلسل تگ و دو کر کے جدوجہد کی اور مسلمانوں نے اس کے حق میں مظاہرے کئے، جلسے کئے۔ پارلیمنٹ تک آئے اور محضر نامے بھیجے۔ جناب چیئرمین! آپ نے خود فرمایا تھا کہ کسی بل کے بارے میں پارلیمانی تاریخ میں اتنی عظیم دلچسپی کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ میں خود آپ کے سامنے اس پہلی بلڈنگ میں حاضر ہوا تھا اور تین

پیٹیاں سر پر اٹھا کر آپ کی خدمت میں لایا مقامیز پر میں نے رکھی تھیں کہ یہ محضر نامے کراچی سے آئے ہیں۔ آپ نے کہا کہ یہ تو بہت زیادہ ہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت نیچے پورا ٹرک بھرا ہوا کھڑا ہے۔ آپ نے پھر اپنے سٹاف کو بلایا اور ان کو بھیجا اور انہوں نے پورا ٹرک نیچے خالی کرا کے اسمبلی کے محافظ خانے میں رکھا۔ تو اس سلسلے میں مسلمانوں کی دینی تنظیموں کی عظیم جدوجہد ہوئی۔ اور پھر اس ایوان نے اس کے لئے کمیٹیاں بنائیں، سٹینڈنگ کمیٹی بنی۔ سلیکٹ کمیٹی بنی۔ پھر دوبارہ کمیٹیاں بنائی گئیں۔ پھر اس پر تین سال پہلی خواندگی جاری رہی۔ اور دوبارہ دفعہ وار بحث شروع ہوئی۔ تو ہم ایک ایسی چیز ملک میں نافذ کرانا چاہتے تھے جس سے واقعی عدلیہ میں، مقننہ میں، ذرائع ابلاغ میں اور انتظامیہ میں کچھ بہتر تبدیلیاں آ جائیں۔ مگر ہوا یہ کہ اس شریعت بل کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور اب ایک آرڈیننس نافذ کیا گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قومی اسمبلی جب ٹوٹ گئی تو آرڈی ننس ہی نافذ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب اسمبلی توڑی گئی تو اس کے لئے بھی سب بڑا عذر اور سب سے بڑا جواز یہی مہیا کیا گیا کہ قومی اسمبلی نے اور پچھلی گورنمنٹ نے اسلام کے نفاذ میں دلچسپی نہیں لی۔ اب ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ واقعی کوئی انقلاب انگیز اور فوری مثبت اثرات والے اقدامات کئے جاتے۔ تب تو صدر ضیا ء الحق کے اس اقدام کو کوئی جواز بھی مہیا ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے بڑے جذبات واحساسات کے بعد قوم کے سامنے اس آرڈی ننس کے ذریعہ جو چیز رکھی تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ہم کسی بھی مثبت تبدیلی کی طرف نہیں جا سکتے نہ ہی اس ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو سکتا ہے۔ نہ جو مروج قوانین ہیں۔ ان کو ہم تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسلامی قوانین کو بالادستی حاصل ہو سکتی ہے۔

قرآن وسنت سپریم لا ہے صرف سرچشمہ نہیں

سب سے پہلی چیز جس پر ہم کئی سال سے جھگڑ رہے تھے۔ وہ یہ تھی کہ قرآن وسنت کو سپریم لا ر واضح طور پر تسلیم کیا جائے۔ قرآن وسنت صرف لا ہی نہیں ہے بلکہ سپریم لا ر ہے۔ اگر اس کو سپریم لا ر مان لیتے تو سارے قانون جو غیر اسلامی ہیں اور جو مروج قوانین ہیں۔ جو بھی اللہ کے قانون سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین سے متصادم ہوتے وہ خود بخود کالعدم ہو جاتے۔ ہم نے اس چیز کو نویں ترمیمی بل کے ذریعہ پاس کرانے کی کوشش کی اور آٹھویں ترمیم کے سلسلہ میں جو جھگڑے جاری رہے اس کے صلے میں نویں ترمیم کا مسودہ تیار ہوا اور الحمد للہ کہ یہ اعزاز سینٹ کو حاصل ہوا۔ کہ اس نے نویں ترمیمی بل کو راتوں رات منظور کیا۔

اس نویں ترمیمی بل میں بھی سب سے بڑی چیز جو ہمیں حاصل ہو سکتی تھی وہ یہ تھی کہ اس کا ایک دفعہ یہ تھا کہ قرآن وسنت اس ملک کا سپریم لا ر ہو گا۔ اس "سپریم لا ر" کے لفظ پر ہماری کمیٹیوں میں وزیر قانون اور وزارت قانون کے بڑے بڑے ججوں کے ساتھ مہینوں جھگڑے چلتے تھے بالآخر انہوں نے تسلیم کر لیا تھا کہ قرآن وسنت نہ صرف خود ایک لا ر ہے بلکہ سپریم لا ر ہے لیکن آرڈی ننس میں صدر صاحب خود نویں ترمیمی بل کو نظر انداز کر گئے۔ انہوں نے (اسمبلی توڑتے وقت) تقریروں میں تو یہ کہا کہ ان لوگوں نے (ممبران نے) نویں ترمیمی بل کو پاس نہیں کیا۔ لیکن انہوں نے خود اس آرڈی ننس کے ذریعہ نویں ترمیمی بل کو بالکل بلڈوز کر دیا۔

میں اپنے معزز اراکین پارلیمنٹ سے درخواست کروں گا کہ وہ ان گذارشات کو ذہن میں رکھیں۔ یہ سب ایک ذمہ دار منصب پر فائز ہیں۔ اور بات شریعت کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے طرزِ فکر سے صدر صاحب خود محسوس کریں یا قوم کے سامنے اس کا اظہار کریں کہ ہمارے سامنے کون سی چیز آئی ہے۔ اور کون سی چیز اور آنی چاہئے اور حقیقی اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے۔

جناب والا! میں عرض کرتا ہوں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹیں بھی آئی ہیں۔ ان میں بھی قرآن وسنّت کو سپریم لار بنانے کی سفارش کی گئی ہے پھر صدر صاحب نے اس اقدام کے بعد بالے پوتا صاحب کی نگرانی میں ایک کمیٹی بنائی اور اس کمیٹی کو بھی کہا کہ آپ ایک مسودہ تیار کریں۔ اس کمیٹی کے مسودہ میں بھی قرآن وسنت کو سپریم لار کے طور پر تسلیم کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔ پھر بائیس رکنی کمیٹی کی جو علماء کرام اور ججوں پر مشتمل تھی، صدر صاحب نے میٹنگ بلائی۔ اس کے سامنے بالے پوتا کمیٹی کا مسودہ رکھا۔ وہ خود پندرہ بیس گھنٹے اس کمیٹی کی شروع سے لے کر آخر تک کارروائی میں شریک رہے۔ اس کمیٹی نے بھی اس بات پر زور دیا کہ قرآن وسنت کو سپریم لا تسلیم کیا جائے۔

نویں ترمیمی بل کو بلڈوز کیا گیا

لیکن اچانک جو آرڈیننس آیا اس میں قرآن وسنت کو سپریم لا تسلیم کرنے کے بجائے اسے ایک سرچشمہ ہدایت کہا گیا۔ "سب سے بڑا سرچشمہ"۔ "سب سے بڑا ہدایت عظمیٰ"۔ "سب سے بڑا ہادی و راہ نما اور رہبر" یہ ایسے الفاظ ہیں، ان سے لوگ خوش تو ہو سکتے ہیں۔ یعنی وزن بیت کے لئے تو یہ ایک بہترین غزل تو بن سکتی ہے لیکن حقیقت میں ان الفاظ سے یہ ملک کا سپریم لا نہیں بن سکتا۔ آپ کی پارلیمنٹ اور وزارت قانون کی ساری لائبریریاں جو ہیں یہ ہر قانون کے لئے سرچشمہ بن سکتی ہیں آپ تمام قوانین کے لئے کسی بھی کتاب سے اور برطانیہ کی لائبریریوں سے بھی ہدایت لے سکتے ہیں اور ان کو ماخذ کے طور پر تسلیم کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے وہ قوانین نہیں بنتے۔ ہمارا جھگڑا یہ ہے کہ قرآن وسنت سرچشمہ نہیں ہے بلکہ وہ براہِ راست خود قانون ہے۔ منبع ہدایت تو ہے ہی۔ لیکن وہ خود قانون ہے۔ اس کو حدود اللہ اس کو احکام اللہ کہا گیا ہے۔

آپ آیت میراث کو دیکھیں کہ کتنا دفعہ وار اس کو اللہ نے مرتب کر کے بھیجا ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں مسائل اس سے مستنبط ہو رہے ہیں۔ ایک سمندر کو اللہ نے ایک ایک آیت میں سمویا ہے ایسی دفعات کسی قانون میں بھی مرتب نہیں ہو سکتیں۔ مگر آپ اس کو قانون نہیں کہتے۔ آپ اس کو سرچشمہ کہتے ہیں جب کہ سرچشمہ کی پابندی ضروری نہیں ہوتی، اس سے آپ روشنی لے سکتے ہیں اور سب سے زیادہ ظلم یہ ہوا کہ ہم نے جو محنتیں نویں ترمیمی بل کے تیار کرنے میں کی تھیں، نظریاتی کونسل کے ذریعہ سے۔ اسلامائزیشن کی کمیٹیوں کے ذریعہ سے جو محنتیں کی تھیں ان کو نظر انداز کر کے اسے سرچشمہ قانون کے طور پر پیش کیا۔

قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح سراسر مبہم چھوڑ دی گئی

پھر دوسرا ظلم یہ ہوا کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح یہ ایک ایسی چیز نہیں ہے کہ بالکل اس کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔ کسی بھی قانون کی تعبیر وتشریح

کے لیے کچھ صلاحیتوں کی ضرورت ہے کچھ حدود و قیود ہوتے ہیں۔ کچھ شرائط ہوتی ہیں۔ کچھ معیار ہوتا ہے۔ ہر شخص اٹھ کر آپ کے بڑے سے بڑے قانون کی تشریح و ترجمانی نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے منٹو صاحب (ایک رکن جو سامنے بیٹھے تھے) کو کہیں کہ آپ اس کی تشریح کریں۔ آئین کی فلاں دفعہ کی تشریح کریں۔ اگر کوئی شخص سڑک پر سے گزر رہا ہے خواہ وہ دوکان دار ہے زمیندار ہے۔ کاشت کار ہے۔ آپ اسے بلا کر کہیں کہ آپ اس قانون کی وضاحت کریں تو یہ درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس قانون کی تشریح و تعبیر کرائی۔ خلفائے راشدین کے ذریعہ اس کی تشریح و تعبیر ہوئی صحابہ کرامؓ کے ذریعہ اس کی تعبیر و تشریح ہوئی۔ زکوٰۃ کا۔ عشر کا۔ صلاۃ کا۔ تمام احکام اور قوانین کا ایک مفہوم قطعی طے ہو گیا۔ اب یہاں تشریح و تعبیر کی اگر ہم بات کرتے ہیں تو ہم کوئی فرقہ واریت نہیں پھیلاتے۔ ہم کہتے ہیں کہ شریعت کی تشریح و تعبیر کے جو بھی مسلّمہ قواعد ہیں جو اصلیت و صلاحیت ہے اور جو مسلّمہ ائمہ دین ہیں جو صحابہ کرام ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ہدایات و شرائط ہیں ان کی روشنی میں قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح کی جائے گی۔

تحریف و الحاد کا دروازہ کھل جائے گا

جناب چیرمین! ہم نے اپنے شریعت بل میں تشریح و تعبیر سے متعلق یہ ساری چیزیں ملحوظ رکھی تھیں۔ فوضویت (بے لگام آزادیٔ رائے افراتفری) جس کو کہتے ہیں۔ افراتفری، اور قانون کی غلط تعبیر و تشریح، الحاد کا دروازہ اجتہاد کے نام پر نہ کھل جائے۔ ان چیزوں کی وضاحت کردی تھی۔ ورنہ آپ نے خود ایک شعر فرمایا تھا

ز اجتہاد عالمانِ کم نظر … اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

پھر تو محیض کا ترجمہ یہ لوگ معاشی نظام سے کرنے لگتے ہیں تو اس آرڈیننس میں تشریح و تعبیر کی دفعہ کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ آج بھی کہا جا رہا ہے کہ پارلیمنٹ بھی قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر کرتی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وفاقی کابینہ کو بھی حق ہے کہ تشریح و تعبیر کرے۔ کوئی کہتا ہے کہ چند مولوی یا وکیل کسی جگہ جمع ہو جائیں تو وہ بھی قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر کے ٹھیکے دار بن جائیں۔ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔

اگر قرآن و سنت کو ہم ایسے ہی کھلے اجتہاد کے لیے چھوڑ دیں تو پھر کل کو "عشر" کا مفہوم بدل جائے گا۔ پرسوں زکوٰۃ کا مفہوم۔ ترسوں صلوٰۃ کا مفہوم بدل جائے گا۔ کوئی پارلیمنٹ کہے گی کہ سود حلال ہے اور یہ سود وہ سود نہیں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ کوئی کہے گا کہ یہ شراب وہ شراب نہیں ہے جیسا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے بھی کہا تھا۔ یہ سارے فتنے اس ملک میں اٹھے ہیں۔ تو جناب اجتہاد کے نام سے الحاد کا دروازہ ہی کھول دیا گیا ہے۔ قرآن و سنت سے کیا مراد ہے؟ تو قرآن و سنت سے جو مراد ہے وہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اور صحابہ کرام نے۔ سب نے طے کر دیا ہے مگر شریعت کی وہ تعریف بالکل نظرانداز کر دی گئی ہے۔ کسی جج پر کوئی حدود و قیود نہیں ہوں گی۔ جس وقت وہ چاہے گا وہ قرآن و سنت کی تعبیر کر کے کہے گا کہ میں نے قرآن و سنت کی یہ تعبیر کر لی ہے تو اس کا ازالہ کیسے ہو گا اور اس سے کتنی افراتفری پیدا ہو گی؟

عدالتوں کو قرآن وسنت کا پابند نہیں بنایا گیا

تیسری چیز جو ہم نفاذ شریعت کے لئے ضروری سمجھتے تھے وہ یہ تھی کہ عدالتوں کا نظام بدل دیا جائے یا کم از کم عدالتوں کو قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند بنایا جاتے ۔ یہاں جتنی بھی تقریباً چالیس سال سے قرآن وسنت کے مطابق قوانین بنانے کی باتیں کی جارہی ہیں ۔ اس میں منفی پہلو آتا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف قانون نہیں بنایا جائے گا ۔ مگر اس طرح بات نہیں بنتی ۔ بات مثبت شکل میں بنتی ہے ۔ کہ قرآن وسنت کے ماتحت یہ عدالتیں ہوں گی اور عدالتیں قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کریں گی ۔ عدالتوں کے نظام کو ہم اس طریقے سے تبدیل کرانا چاہتے تھے کہ عدالتیں قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں اگر عدالتیں پابند نہ ہوں تو اللہ اور رسول کی حاکمیت ہی پھر سرے سے غلط ہے ہم ساورنٹی اور حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو دیتے ہیں اور حاکم اعلیٰ ، اس کو ، قرار داد مقاصد میں تسلیم کرتے ہیں ۔ تو حاکمیت اعلیٰ کا تقاضا ہے کہ اللہ نے جو فرمان نازل فرمائے ہیں ان کو نافذ کرایا جائے اور ان کو نافذ کرایا جاسکتا ہے ۔ تو عدالتوں کے ذریعے ہی نافذ کرایا جاسکتا ہے کہ جج قرآن وسنت ، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق فیصلے کریں ۔

آرڈیننس میں طویل اور لاحاصل طریقہ اختیار کیا گیا ہے

شریعت آرڈیننس میں جو چیز سامنے آئی ، اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ عدالتوں کو قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند بنایا جانا ۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ عدالتیں موجودہ مروج انگریزی قوانین اور جو تعزیرات اس ملک میں رائج ہیں اسی کے مطابق فیصلہ کرتی رہیں گی ۔ اور زیادہ سے زیادہ اگر کوئی شخص چاہے تو عدالت میں جا کر اپیل دائر کر سکتا ہے کہ یہ قانون قرآن وسنت کے خلاف ہے ۔

پھر اس کے لئے عجیب طریق کار ہے یعنی اسی جج کے استصواب پر چھوڑا گیا اسی عدالت کی مرضی پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ اس اعتراض کو معقول سمجھتا ہے یا غیر معقول سمجھتا ہے ۔ کوئی بھی جج اپنے آپ کو ان جھنجھٹوں میں نہیں ڈالے گا اور وہ یک لخت اس اعتراض کو نامعقول قرار دے گا ۔

اگر وہ عدالت اس اعتراض کو معقول سمجھتی ہے تو پھر وہ مسئلہ عدالت کو بھیج سکتا ہے جب کہ اسے شریعت کورٹ تک منحصر کرنا ٹھیک نہیں تھا ۔ اس میں تمام ہائیکورٹوں اور سپریم کورٹ کو اختیار دینا چاہئے تھا کہ وہ اس اعتراض کا جائزہ لیں کہ بالائی عدالت کے فیصلے کا انتظار کئے بغیر اسی جج کو اختیار دیا گیا کہ وہ مروجہ قانون کے مطابق اس کیس کا فیصلہ کر سکتا ہے ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس جج کو فی الحال روک دیا جاتا کہ جب ایک مدعی نے اعتراض کیا ہے اور استغاثہ دائر کیا ہے کہ یہ خلاف شرع قانون ہے تو اس کو اس فیصلے سے روک دیا جاتا ۔ چنانچہ جو معاہدہ (۲۲ رکنی کمیٹی کے) علماء کے ساتھ طے ہوا تھا اس میں یہ بات طے ہوگئی تھی کہ اس کو روک دیا جائے گا ۔ لیکن جب دوسرے روز آرڈیننس آیا تو اس میں واضح طور پر یہ تھا کہ وہ انتظار کئے بغیر فیصلہ بھی کر سکتا ہے ۔ اب ایک غریب دہقان شخص کو کیا پڑی ہے کہ وہ عدالتوں میں جائے کسی قانون کو اسلامی بنانے کے لئے ، وکیل پکڑے ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کرے پھر اسے یہ بھی یقین ہے کہ اب اس مقدمے میں سٹے آرڈر بھی نہیں مل سکتا اور جج اپنی کارروائی مروجہ قانون کے مطابق جاری رکھے گا ۔

تو اس کو کیا پڑی ہے کہ وہ اتنا درد سر اٹھائے۔

موجودہ طریق کار نفاذ شریعت کی راہ میں رکاوٹ ہے دوسرا ظلم یہ ہے کہ اگر بالائی عدالت کسی قانون کو غیر اسلامی قرار دے دے تو متبادل راستہ کونسا اختیار کیا جائے گا۔ پھر اسمبلی بیٹھے گی اور اس کے بارے میں متبادل قانون سامنے لائے گی۔

تا تریاق از عراق آوردہ شود۔ مار گزیدہ مردہ شود

اسی طرح تمام قوانین جو انگریز کے نافذ ہیں ان کو اسلامی بنانے کے لئے میرے خیال میں عمر نوحؑ سے بھی زیادہ عرصہ درکار ہوگا تو یہ ایک ایسا سلسلہ رکھا گیا ہے کہ نہ نو من تیل ہوگا اور نہ رادھا ناچے گی۔ عدالتیں اسی نظام پہ چلتی رہیں گی اور جس طرح ہم اس کو پابند بنانا چاہتے ہیں اس کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے تو اس سسٹم سے ہم کسی قانون کو اسلامی نہیں بنا سکتے اور نہ عدالتیں اسلامی قوانین پر پابند رہ سکتی ہیں۔ (عدالتوں سے متعلق آرڈی ننس کا) تو یہ دفعہ بھی محض ایک دھوکہ ہے۔ اگر یہ آرڈی ننس اسی شکل میں نافذ رہا تو شریعت کا نفاذ رکا رہے گا۔

مقننہ کو پابند بنانا ضروری تھا پھر ہم مقننہ کو پابند بنانا چاہتے تھے کہ ہم جمہوریت کے قائل ہیں لیکن ہماری جمہوریت مغرب اور یورپ کی جمہوریت الگ الگ ہے۔ ہماری جمہوریت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے دائرہ میں ہے اور کوئی قانون ساز اسمبلی ایسا قانون نہیں بنا سکتی جو قرآن و سنت کے صریح احکام سے متصادم ہو ان تمام دفعات کو بھی یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔

پالیسیوں کا احتساب کون کرے گا؟ پھر ہم نے یہ رکھا تھا کہ تمام پالیسیاں اسلام کے تابع ہوں۔ اس آرڈی ننس میں یہ تو رکھا گیا ہے کہ تمام پالیسیاں اسلام کے دائرے میں ہونگی لیکن یہ چیز اس میں بالکل چھوڑ دی گئی ہے کہ پالیسیوں کا احتساب کون کرے گا۔ اس کے حساب کا حق کس کو دیا گیا ہے کہ وہ دیکھے کہ کونسی پالیسی اسلام کے مطابق ہے اور کونسی نہیں ہے۔ یہ تو آئین کے رہنما اصولوں میں بھی باتیں تھیں۔ وہ تو صرف رہنما اصول کی بات ہے پالیسیوں کو اسلام کے دائرے میں رکھنے کے لئے بھی ایک احتساب اور اس کے لئے قانون ہونا چاہئے تھا۔

صدر اور دیگر عمال احتساب سے بالاتر رکھے گئے پھر ہم نے انتظامیہ کو اسلامی قانون کے بنانے کے دفعات رکھے تھے کہ عمال حکومت بشمول صدر، وزیر اعظم کوئی بھی ایسا حکم نافذ نہیں کر سکے گا جو قرآن و سنت اور اللہ کے احکام سے متصادم ہو۔ چنانچہ اس بات کو بھی مشترکہ اور متفقہ مسودہ میں تسلیم کر لیا گیا تھا۔ مگر دوسرے دن جو آرڈی ننس آیا اس میں انتظامیہ، صدر اور وزیر اعظم سب کو احتساب سے بالاتر رکھا گیا۔ حالاں کہ قرآن و سنت اور اسلام کی نگاہ میں صدر، وزیر اعظم اور عام شہری اسلام کی نگاہ میں برابر ہیں اور ان کا ایک ہی طرح کا محاسبہ ہوگا۔

مالیات اور تعلیم کے لئے کمیشنوں کا سہارا لیا گیا آرڈی ننس میں سب سے بڑی بات یہ کی گئی ہے وہ تعلیم اور مالیات

کے بارے میں ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایک کمیشن قائم کیا جائے گا ان دونوں شعبوں میں صدر صاحب ۶۰ دنوں یا ۳۰ دنوں کے اندر کمیشن قائم کریں گے چنانچہ قائم بھی کر چکے ہیں جو دو سال کے اندر ایک رپورٹ دیں گے۔ مگر ایسی تجاویز کو آرڈیننس تو نہیں کہہ سکتے، قانون تو نہیں کہہ سکتے اس سے تبدیلی کون سی آئی۔ صدر تو کسی وقت بھی ایک کمیشن قائم کر سکتا ہے۔

کمیشنوں کی بیساکھی اور ایک لطیفہ

اور اس ملک میں سارا سلسلہ کمیشنوں پر ہی چل رہا ہے۔ ساری عمارت ہی کمیشن اور کمیٹیوں پر استوار ہے۔ میں نے آپ سے عرض بھی کیا تھا کہ ایک دھوبن عورت کا شوہر شکار میں جہانگیر سے قتل ہو گیا تھا۔ جہانگیر کے عدل کے بڑے چرچے تھے وہ بڑا پریشان تھا اور وہ عورت قصاص مانگ رہی تھی۔ وزرائے کرام نے، وسیم سجاد صاحب نے، اقبال احمد خان نے، ہاں ہمارے دوست اقبال احمد خان جواب چلے گئے ہیں (سابق وزیر قانون کو اشارہ تھا) اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے، ایسے وزرار نے مشورہ دے دیا کہ جہانگیر صاحب کیوں آپ پریشان ہیں انہوں نے جواب دیا کہ مجھ پر دھوبن (عورت) قتل کا دعویٰ کرے گی جب کہ میرے عدل کا ساری دنیا میں چرچا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ ایک کمیشن قائم کر دیں۔ جہانگیر نے کہا بہت اچھا کمیشن قائم کر دیا۔ تو پھر کیا ہو گا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر کمیشن نے آپ کے خلاف فیصلہ دے دیا تو پھر ہم اس کے اوپر دوسرا کمیشن بٹھا دیں گے۔ اس نے کہا کہ پھر، تو انہوں نے کہا کہ پھر اسی طرح تیسرا کمیشن بٹھا دیں گے، چوتھا بٹھا دیں گے۔ کمیشنوں سے ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔ بالآخر اسی دوران وہ عورت مر جائے گی اور دعویٰ ہی ساقط ہو جائے گا۔ کہ وارث ہی ختم ہو گئے۔ یہاں وہی صورت حال ہے کہ کمیشنوں کے قیام کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ حالانکہ تعلیم کے بارے میں اس وقت حکومت کے سرد خانوں میں چالیس سال کی رپورٹیں دبی ہوئی ہیں۔ بڑے بڑے کمیشن بیٹھے جنہوں نے بڑی جامع اور مؤثر رپورٹیں دیں۔ یہی حال مالیات کے متعلق کمیشنوں کا ہے دنیا بھر کے علماء ماہرین وغیرہ سے رائے لی گئی اور سینکڑوں صفحات کی رپورٹیں مرتب ہو گئیں۔ ایسی رپورٹیں بلا سودی نظام کی ہمارے فاضل کمیشنوں نے مرتب کی ہیں کہ جن پر سعودی عرب اور دیگر اسلامی مملکتوں نے خراج تحسین پیش کیا ہے کہ واقعی یہ متبادل راستے ہیں اور ان پر عمل کرنے سے بلا سودی نظام چل سکتا ہے وہ ساری رپورٹیں آپ کے ریکارڈ میں وزارت قانون میں موجود ہیں۔

کمیشنوں اور نظریاتی کونسل کی رپورٹیں

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل جس پر آپ کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں اور اس نے کافی محنت کی ہے اور اس کی تقریباً ۲۰ رپورٹیں تو اس ایوان میں پیش ہو چکی ہیں۔ ان کی رپورٹیں مالیات اور تعلیم کے بارے میں مکمل متبادل تجاویز موجود ہیں۔ اس نظریاتی کونسل میں شیعہ سنی، بریلوی، دیوبندی، جج، وکیل اور مولوی بھی ہیں۔ اتنے جامع اور مؤثر ادارے نے کروڑوں روپے خرچ کئے اور مؤثر رپورٹیں ہمارے سامنے رکھیں تو ہمیں جب آرڈیننس میں کمیشن کا مژدہ سنایا گیا ہے تو اگر ان رپورٹوں سے لے کر کچھ ہمارے سامنے رکھ دیتے کہ یہ تو فوری نافذ ہیں اور کچھ تبدیلی ہم لا رہے ہیں۔ پھر اس نے سینکڑوں قوانین کو

غیر اسلامی ہونے کی نشاندہی بھی کی ہے۔ لیکن ہم نے اس تمام ذخیرے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ گویا آج ہم نئے سرے سے غور کر کے قوم کے سامنے ایک رپورٹ پیش کریں گے۔ اب (دو سال بعد) اس رپورٹ کا صدر پابند ہو گا یا نہیں؟ آرڈیننس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ کمیشن اگر دو سال بعد رپورٹ دے بھی دے تو اس کی گارنٹی ہے کہ صدر اس کا پابند بھی ہو گا یا نہیں۔ پھر تو اسمبلیاں بیٹھی ہوں گی۔

ناقص، غیر مؤثر اقدامات اور اسلام کے ساتھ ظلم عظیم!

تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ شریعت آرڈیننس ایک لحاظ سے بالکل ناقص اور غیر مؤثر ہے ہم لوگوں کو بد قسمتی سے دھوکہ دے رہے ہیں کہ اسلام نافذ ہو گیا۔ خوشیاں مناتے ہیں ڈھول بجاتے ہیں کہ اسلام نافذ ہو گیا ہے۔ صحیح غریب اٹھتا ہے تو اس کے مشکلات اور بھی بڑھ چکے ہوتے ہیں۔ اس کو عدالتوں میں اور دھکے کھانے پڑتے ہیں۔ اس کو زیادہ رشوت دینی پڑتی ہے اس کو زیادہ مہنگی چیز خریدنی پڑتی ہے اس کو ملاوٹ اور سمگلنگ کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ اور بھی مصیبتوں کی چکی میں پیستا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ سبز جنت جو ہمارے سامنے اسلام کا ایک تصور تھا شاید وہ آگیا ہے۔ اس اسلام نے تو ہمیں اور بھی تباہ کر دیا۔

تو ایسے محض اعلانات کے ذریعہ ہم اسلام کے ساتھ غداری کر رہے ہیں اور آئندہ لوگ اسلام کا نام سننا گوارا نہیں کریں گے۔ آپ اگر حقیقی معنوں میں بھی اس ملک میں اسلام نافذ کریں گے تو لوگ کہیں گے اسلام میں کیا رکھا ہے؟ اسلام نے ہمیں کیا دیا؟ وہ تو آدھی روٹی اگر آتی تھی تو وہ بھی اسلام نے چھین لی تو ایسے آرڈیننسوں اور ایسے اعلانات کے ذریعے اسلام تو نافذ نہیں ہو سکتا۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم عدالت میں جائیں اور انصاف کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور بغیر پیسوں کے ہمیں انصاف ملے۔ اور گھر بیٹھے انصاف ملے۔ ہم چاہتے ہیں کہ خدارا صدر صاحب اگر چاہتے ہیں تو کم از کم اس مسودے کو جس پر اتفاق ہے اسے لائیں۔

معاہدہ سے انحراف اور کھلا دھوکہ

میں ایوان کے نوٹس میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ کتنی بڑی زیادتی ہے کہ ۲۲ علما کو جو بلایا گیا تھا اور اتنی محنتوں کے بعد ایک مسودہ (ڈرافٹ) تیار ہو گیا اور اس پر اتفاق رائے ہو گیا کہ یہ یہ چیزیں مسودے میں شامل ہوں گی اور یہ آرڈیننس ہو گا۔ اس کے ہر صفحے پر سب کے دستخط کرائے گئے تھے اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی میرے پاس موجود ہے اس آرڈیننس کی فوٹوسٹیٹ کاپی جس کے ہر صفحے پر دستخط ہیں تمام ارکان کے، اور طے ہو گیا تھا کئی دنوں کی محنتوں کے بعد کہ یہ ہے آرڈیننس۔

دوسرے دن جو چیز آتی ہے اس میں سراسر ان تمام دفعات کو تبدیل کر دیا گیا۔ ساری قوم سے ایک ملک کے سربراہ یا اس کے ذمہ دار لوگوں کی طرف سے اگر ایسا دھوکہ کیا جائے (تو کتنا عظیم المیہ ہے) ویسے تو ان لوگوں کو جواب دینا چاہیے جو اس کمیٹی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ الحمد للہ ہم اس جرم میں شریک نہیں تھے ہم نے کہا بہت اس جرم میں شریک ہو گئے ہیں آئندہ ہمیں دور رکھیں قاضی (عبداللطیف) صاحب باہر تشریف لے گئے ہیں۔ وہ بھی اس کمیٹی میں موجود تھے۔ میں ان سے

بھی اپیل کروں گا کہ اس سارے مسودے اور اس کے تضادات کو سامنے رکھیں اور اپنے معزز ایوان کے ارکان کو وہ اصل صورت حال ان کے سامنے رکھیں یہ کیسا آرڈیننس نافذ ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جو چیزیں ہم نے عرض کیں یا جو اس مسودے میں تھیں وہ تمام ترامیم کی شکل میں اس میں شامل کی جائیں۔ اور اس آرڈیننس کو ایک جامع شکل میں نافذ کیا جائے۔

سینیٹ کے لئے سامان عبرت

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم واقعی اس ملک میں شریعت نافذ کر سکیں۔ اللہ نے ہمیں ایک عبرت کا سامان دیا ہے۔ ہمارے سامنے قومی اسمبلی کا یہ سانحہ جو آیا ہے تو میں کہا کرتا تھا اس کے معزز ارکان کو اور وزیر اعظم کو میں نے تنہائی میں بار بار کہا اور سب کو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی وقت یہ مار پڑ سکتی ہے کیونکہ ہم نام اسلام کا لے رہے ہیں۔ آتے اسلام کے نام پر ہیں، پھر شریعت کو اس طرح نظر انداز کر دینا اس کے ساتھ ایسا تمسخر اور استہزا کرنا، تو اللہ تو یہ سب کچھ دیکھتے ہیں۔ وہ راتوں رات سب کچھ تبدیل کر سکتا ہے تو اس وقت سینیٹ چونکہ واحد ادارہ ہے اس ملک میں، ایک جمہوری ادارہ ہے اور ایوان بالا ہے اس کے ارکان کو اپنی ذمہ داریاں اس معاملے میں جو بڑی نازک ذمہ داریاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سامنے رکھ کر اپنی ذمہ داریاں نبھانی چاہئیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی سرخرو ہوں گے اور قوم کی بارگاہ میں بھی سرخرو ہوں گے۔ ورنہ ہمارے سامنے بھی کسی وقت اللہ تعالیٰ کی — کہ اس کے ہاں دیر ہے اور اندھیر نہیں ہے تو ہم سب کو اس وقت پورے اخلاص سے صدر صاحب کی راہ نمائی کرنی چاہئے اور ان کو ادا اس سے، اس کو منت سماجت سے کہنا چاہئے کہ واقعی ہم تیار ہیں۔ آپ جو شریعت آرڈیننس کی شکل میں شریعت کے لئے جو بھی اقدام کرتے ہیں اگر آپ اسے مؤثر شکل میں ہمارے سامنے کوئی چیز لائیں تو ہم ایک منٹ میں اس کو پاس کریں گے۔

بیاد مجلس شیخ الحدیث
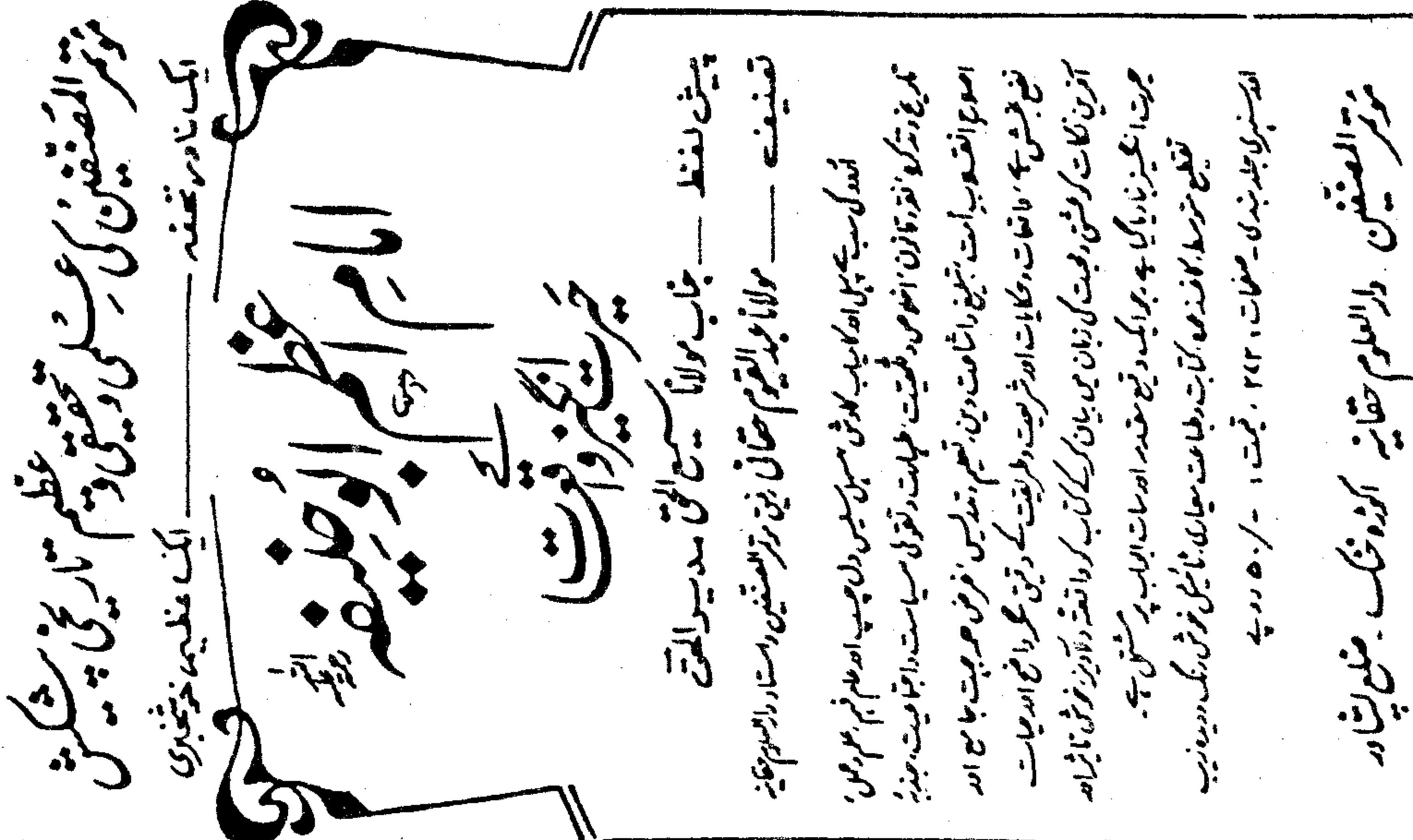
افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

جوانو! بڑی ہمت اور جوانمردی سے دین کی حفاظت اور مدافعت کرو

۱۰ر جولائی ۱۹۸۰ء

حسب معمول بعد العصر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ طلبہ کا ہجوم تھا۔ دارالعلوم کے بعض اساتذہ بھی تشریف فرما تھے۔ صوبہ سرحد کے مختلف اضلاع سے آئے ہوئے مہمانوں کے علاوہ آزاد کشمیر سے بھی علماء آئے ہوئے تھے جن میں بعض حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے زمانہ کے تلامذہ تھے۔ میرے حاضر خدمت ہونے پر از خود حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے بعض اضیاف کا تعارف کرایا۔ آزاد کشمیر سے آئے ہوئے علماء میں اپنے تلامذہ اور دیگر اضیاف کی تشریف آوری اور زحمت فرمائی پر بڑی ممنونیت کا اظہار فرمایا۔

چند روز قبل احقر کی بعض تصنیفات کا تذکرہ جب حضرت اقدس کی محفل میں ہوا تو ارشاد فرمایا تھا خدا تعالیٰ قبول فرمائے بڑی ہمت ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ہمت دے۔ اور قبولیت سے نوازے۔ انکما عالجان فعالجا عن دینکما احقر نے یہ الفاظ تو نوٹ کر لئے تھے مگر جی چاہتا تھا کہ اس کی تشریح و تفصیل اور پس منظر بھی حضرت مدظلہ خود بیان فرمائیں۔ آج احقر نے اس سلسلہ میں استفسار کیا تو ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں ایک مرتبہ ان کے دو تلامذہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! ہم نے شام کو تبلیغ اور جہاد کی نیت سے جانے کا ارادہ کیا ہوا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ان کے اس عزم پر بڑے خوش ہوئے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا

انکما عالجان فعالجا عن دینکما — تم دونوں جوان ہو۔ بڑی ہمت اور جوانمردی سے دین کی حفاظت اور مدافعت کرو۔

فضلاء اور علماء کو دینی کام کرتے وقت حضرت ابن عباس کی نصیحت ملحوظ رکھنی چاہیئے

ارشاد فرمایا میری بھی یہی حالت ہے اور میں بھی آپ سے اب یہی کہہ دیتا ہوں کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ ضعفِ نظر اس کے علاوہ ہے۔ ویسے بھی زندگی بھر کوئی سیدھا کام نہ کر سکا۔ اب تو جسم بھی کام کا نہیں رہا۔ آپ باہمت ہیں نوجوان ہیں۔ خدا نے موقع بخشا ہے اب تمہیں بھی حضرت ابن عباسؓ کی نصیحت ملحوظ رکھنی چاہیئے اور دین کی مدافعت کرنی چاہیئے۔

ارشاد فرمایا۔ یہاں لفظ عن آیا ہوا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دشمن دین پر حملہ کرے۔ کس طرح کا حملہ؟ تقریر سے، تحریر سے منطق اور فلسفہ کی راہ سے۔ سائنس کی راہ سے۔ اشاعت و تبلیغ کی راہ سے۔ ہر محاذ پر اس کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ چاروں طرف سے اس کی یلغار کو روک دو۔

جوانی بڑی نعمت ہے اور اس میں بڑے کام ہو سکتے ہیں

ارشاد فرمایا۔ لائق تلامذہ اور با صلاحیت شاگرد اساتذہ کی عزت ہوا کرتے ہیں اساتذہ کا وقار ہوا کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی اپنے با صلاحیت تلامذہ کو کام کرنے کی خصوصیت سے تاکید فرمائی۔ دار العلوم کے فضلاء بھی حاضر خدمت تھے۔ ان کی طرف روئے سخن پھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کام کریں کام۔ اپنی صلاحیتیں اور اوقات دین کے کام میں کھپا دیں۔ ہم تو بوڑھے ہو گئے کام کے نہ رہے اب پتہ چلتا ہے کہ جوانی کتنی بڑی نعمت ہے اور جوانی میں کیسے کیسے کام ہو سکتے ہیں۔

طلبہ کے صالح اعمال اساتذہ کی پگڑی ہوا کرتے ہیں

حضرت شیخ الہندؒ اپنے تلامذہ سے خصوصیت سے فرمایا کرتے کہ دیکھو جو پگڑی تم نے ہمیں بندھوائی ہے اسے کمزور اور دار العلوم سے باہر کے کردار سے یہ ہمارے سروں سے ہرگز نہ اتارنا جب تم غلط راستوں پر چلو گے تو لوگ کہیں گے کہ ان کے اساتذہ کا بھی یہی راستہ ہو گا۔

دار العلوم دیوبند میں پہلی مرتبہ حاضری کا دلچسپ تاثر

دیوبند کے اکابر اور ہمارے سارے اساتذہ علم و عمل کے بلند مقام پر فائز تھے مگر عجز و انکسار کے پتلے تھے۔ دار العلوم دیوبند کی شہرت تھی اکابر اساتذہ کی عظمتوں کے چرچے تھے جب تک وہاں حاضری نہیں دی تھی خیال تھا کہ وہاں کے اکابر اساتذہ کے بڑے جبّے۔ عمامے، بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے لباس ہوں گے ان سے بولنا یا ان کی ملاقات کرنا بھی کارے دارد ہو گا۔ مگر جب دیوبند پہلی مرتبہ حاضر ہوا تو راستہ میں دیکھا کہ بوڑھے بزرگ نے گرمی کے موسم کی وجہ سے پیٹھ ننگی کی ہوئی ہے۔ بازار سے سودا لئے جا رہے ہیں راستہ میں لوگ ملتے ہیں سلام کرتے ہیں بڑا اکرام ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا سودا کسی کے حوالے نہیں کرتا۔

دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی مولانا عزیز الرحمن کا تذکرہ

ان کی یہ عزت و عظمت دیکھ کر رفقا سے دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ دار الافتاء دار العلوم کے صدر مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن ہیں ان کا یہ طریقہ تھا کہ بعد العصر ایک لمبی لاٹھی لے کر پڑوسی کی بیواؤں۔ یتیموں اور ناداروں کا سودا سلف لایا کرتے تھے ہر ایک دروازہ یا دیوار سے اپنی لاٹھی کے ٹکڑے اندر کر دیتے اور گھر والوں سے کہتے کہ کوئی سودا ضرورت ہو؟ تو اہل خانہ اس لاٹھی کے ساتھ اپنی ضرورت کی چیز باندھ دیتے تیل کی بوتل یا سودے کی تھیلی، پھر آپ خود بازار تشریف لے جاتے سب کا سودا خرید کر خود اپنے ہاتھوں سے ایک ایک کے گھر پہنچاتے۔

تواضع تو شریفوں کی فطرت ہے

شیخ المعانی حضرت العلامہ مولانا عبد السمیعؒ کا بھی عاجزی اور تواضع میں یہی حال تھا تواضع تو شریفوں کی فطرت ہے۔ الکریم اذا ارتفع تواضع

انابت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بیعت

اس موقع پر بعض دیگر دینی مدارس سے طلبہ کی جماعتیں آئی ہوئی تھیں انہوں نے حضرت تھانویؒ کی اعمال قرآنی کی اجازت چاہی۔ کچھ طلبا نے جہاد افغانستان میں عملاً شرکت اور کامیابی کی دعا کی درخواست کی۔ حضرت مدظلہ نے جہاد افغانستان کا سنا تو چہرہ پہ رونق آگئی۔ آج بڑے جمال میں تھے۔ چہرۂ اقدس پر مسرت ہویدا تھی بیٹھ گئے سب کو اعمال قرآنی کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ذکر و توجہ الی اللہ اور جہاد کا ذکر چھیڑا۔

تو از خود اپنا دست مبارک آگے بڑھایا۔ جملہ حاضرین علماء و مشائخ، اساتذہ طلبہ اور اضیاف نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ ارشاد فرمایا، میرے ہاتھ میں اپنے ہاتھ دے دو۔ ایک عجیب منظر تھا۔ اور یہ منظر دیدنی تھا۔ سب کی عجیب کیفیت تھی۔ دل و جان سے قربان ہو رہے تھے۔ احقر نے تقریباً نو دس سال حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی معیت و صحبت اور قرب میں گذارے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت مدظلہ نے از خود ہاتھ بڑھایا ورنہ بعض اوقات اصرار پر بھی بیعت کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اور بڑی منت سماجت اور بار بار کے اصرار پر خال خال کسی کو بیعت کر لیا کرتے ہیں اور عام عادت اس سلسلہ میں حتی الوسع یہ ہے کہ اپنی نااہلی کا اصرار کرتے ہیں حتیٰ کہ درخواست کرنے والے خود خاموش ہو جاتے ہیں۔

یہ بیعت جہاد و اطاعت، ذکر اور دین پر استقامت کے لئے تھی کہ دس پندرہ منٹ تک یہی دعائیہ کلمات زبان پر جاری رہے اور میری خوش نصیبی تھی کہ اس موقعہ پہ سب سے پہلے حضرت مدظلہ کے ہاتھ میں میرا ہاتھ تھا۔ مجلس میں موجود اساتذہ، علماء، فضلاء، طلباء جوان بوڑھے بچے غرض سب اس سعادت کے حصول میں بے تاب تھے۔ ہاتھوں پر ہاتھ آتے گئے عجیب منظر تھا۔ بیعت کے بعد سب کے چہروں پر بشاشت اور رونق تھی۔ ایمان و یقین سے دل پرنور تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دونوں جہاں کی دولت لوٹ لی ہے۔ خدا تعالیٰ واقعۃً مجھی اس کی اہلیت و صلاحیت اور استحقاق عطا فرمائے۔

مؤتمر المصنفین کا سلسلہ اشاعت اکابر علماء دیوبند کا ورثہ ہے

۲۵ مارچ ۸۸ء

حسب معمول بعد العصر مجلس شیخ الحدیث میں حاضر خدمت ہوا۔ دارالعلوم کے سالانہ امتحان ہو چکے تھے اساتذہ اور طلبہ سالانہ تعطیلات پہ گھروں کو جانے کی غرض سے حضرت کی خدمت میں رخصت اور دعا لینے کی غرض سے حاضر خدمت تھے اور دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا۔ موقع کی مناسبت سے احقر نے اپنی تازہ تالیف "کتابت اور تدوین حدیث" کا نسخہ پیش خدمت کیا۔ اسے اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا۔ محبت اور شفقت کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ بہت خوش ہوئے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔ حضرت الاستاذ مولانا سمیع الحق مدظلہ کا تحریر فرمودہ پیش لفظ حرفاً حرفاً سنا جس میں کراچی کے جناب الحاج ایوب ماموں کا تذکرہ

بھی تھا ۔ تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا :۔

خدا تعالیٰ نے دار العلوم کو تصنیف و تالیف اور اشاعت و تبلیغ میں بھی اپنی خصوصی مہربانیوں سے نوازا ہے موتمر المصنفین کی کتابیں مقبول ہو رہی ہیں اور بیسیوں کی تعداد میں چھپ چکی ہیں یہ بھی اکابر دیوبند کا ورثہ ہے ۔ خدا تعالیٰ اس کتاب کو بھی مبارک کرے ۔ اور خدا کی بارگاہ میں قبول ہو ۔ ارباب خیر اگر توجہ دیں تو علمی تشنگی رکھنے والوں کی پیاس بجھائی جا سکتی ہے خدا تعالیٰ سب کو علم و عمل کی دولت سے مالا مال فرمائے ۔ آمین ۔

مولانا محمد شہاب الدین ندوی - انڈیا

مذاہب عالم میں تعدد ازدواج کا قانون

ایک علمی و واقعاتی جائزہ

ڈاکٹر الٹیکر (A.S. ALTEKAR) کے مطابق ہندو معاشرے میں اگرچہ یک زوجگی (MONOGAMY) غالب تھی اور ویدک دیوتاؤں میں بھی یک زوجگی پائی جاتی تھی، تاہم کثیر زوجگی (POLYGAMY) کا رواج اکثر معاشرے کے مالدار اور حاکم طبقات میں زیادہ تھا:

It is true that monogamy normally prevailed in Hindu Society. The Vedic Gods also are monogam-ous. In practice, however, polygamy often prevailed in the rich and ruling sections of society. [13]

یہی مصنف مزید تحریر کرتا ہے کہ ویدک لٹریچر میں کثیر زوجگی کے حوالے قطعی طور پر زیادہ ہیں:

References to polygamy are fairly numerous in the Vedic literature. [14]

چنانچہ مصنف نے اس کی دو چار مثالیں اس طرح پیش کی ہیں:

(١) (ہندوؤں میں) تاج پوشی کی رسم کی ادائیگی کے لئے بادشاہ کا پہلے سے چار بیویوں والا

---

13. Altekar, Dr. A.S., The position of women in Hindu civilization, P.104, Delhi, 1983.

١٣ حوالۂ مذکور ١٤ ایضاً، ص ١٠٥

ہونا ضروری تصور کیا جاتا تھا، اگرچہ عملاً اس سے زیادہ تعداد بھی رہی ہو۔

(۲) پدر منو (FATHER MANU) کی دس بیویاں مانی جاتی ہیں۔

(۳) آئتاریا برہمن (AITARIA BRHMANA) کے راجہ ہریش چندرا کی ایک سو بیویاں تھیں۔[15]

(۴) ہندو دھرم کے لوگ رام چندر جی کو اپنا بھگوان مانتے ہیں، چنانچہ ان کے پتا راجہ دسرتھ کی تین بیویاں تھیں جیسا کہ آج کل ہندوستان کی ٹی وی سیریئس "رامائن" میں دکھایا جا رہا ہے۔

غرض ڈاکٹر الٹیکر نے سنسکرت کے مستند حوالوں کے ساتھ لکھا ہے کہ مؤخر ویدک لٹریچر میں متعدد شہادتیں ملتی ہیں کہ کثیر زوجگی کا رواج معاشرے کے کچھ طبقات میں پوری طرح سرایت کئے ہوئے تھا، نیز موصوف کی تصریح کے مطابق بہت سے ابتدائی معاشروں میں بیویاں خود اپنے شوہروں سے تقاضا کرتی تھیں کہ وہ مزید شادیاں کر کے ان کی تعداد بڑھائے، تاکہ ان کے گھریلو کام اور مشقت میں تخفیف ہو، جب کہ شادی کا سب سے بڑا مقصد عورت کیلئے اپنے شوہر کا کام کرنا ہوتا تھا، لہٰذا وہ چاہتی تھی کہ اس کام میں دوسری عورتیں بھی اسکی شریک ہو جائیں۔[16]

پس مصنف "کاماشوترا" کے حوالے سے مزید لکھتا ہے کہ ہندو مذہب میں شادی کے ذریعہ نرینہ اولاد (لڑکے) کا حصول غیر مشروط طور پر ضروری سمجھا جاتا ہے، ورنہ پہلی بیوی بانجھ ہونے کی صورت میں اسے دوسری شادی کی اجازت حاصل تھی، بلکہ بعض تحریروں کے مطابق ایک بیوی کا یہ فرض تھا کہ وہ بانجھ ہونے کی صورت میں خود ہی اپنے شوہر کو دوسری شادی کے لئے مجبور کرے۔

....son was absolutely necessary, and so society permitted the husband to take a second wife, if the first one was barren. Nay we find some writers laying

---

15. Altekar, Dr. A. S., The position of women in Hindu civilization, P. 105, Delhi, 1983.

16. حوالۂ مذکور

down that it was the duty of the wife to urge her husband to contract a second marriage, if she had failed to present a son to him [17].

مشہور محقق و سائنسدان ابوریحان البیرونی (متوفی ۱۰۴۸ء) جس نے سالہا سال تک ہندوستان میں مقیم ہو کر سنسکرت زبان سیکھی، پھر یہاں کے علوم و فنون اور رسم و رواج کا گہرائی کے ساتھ مشاہدہ کر کے ایک مستند ترین کتاب عربی زبان میں لکھی، جو کتاب الہند کے نام سے مشہور ہے، اس کا اصل نام "کتاب البیرونی فی تحقیق ماللھند" ہے، اس میں موصوف نے تعدّد ازدواج کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ اصولی طور پر اسلامی قانون کے عین مطابق معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: "(یہاں پر) مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں چار تک کرے اور چار سے زیادہ کرنا اس کے لئے حرام ہے، ہاں اگر ان میں سے کوئی ایک مر جائے تو اس صورت میں وہ چار کا عدد پورا کر سکتا ہے، اب رہا عورت کا معاملہ، تو شوہر کے مر جانے کی صورت میں اس کے لئے نکاح ثانی کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں اس کے سامنے دو ہی راستے ہوں گے: یا تو وہ زندگی بھر بیوگی کی حالت میں رہے یا اپنے آپ کو جلا لے (ستی ہو جائے) اور یہ دوسری صورت اس کے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ باقی عمر عذاب کی حالت میں رہیگی [18]

وہ مزید تحریر کرتا ہے کہ "اہل ہند میں سے بعض کی نظر میں طبقاتی اعتبار سے متعدد عورتیں ہو سکتی ہیں، چنانچہ برہمن کے لئے چار، چھتری (کشتر) کے لئے تین، ویش کے لئے دو اور شودر کے لئے ایک بیوی ہو گی اور ان چار طبقوں میں سے ہر ایک طبقے کے لئے جائز ہے کہ وہ شادی یا تو اپنے طبقے میں کرے یا اپنے سے نچلے طبقے میں، مگر اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے سے اوپر کے طبقے میں شادی کرے، نیز ایک طبقے کی دوسرے طبقے سے شادی کی صورت میں بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی برہمن مرد، برہمن عورت سے شادی کرے، تو اس کا بچہ بھی برہمن ہوگا، لیکن اگر کوئی برہمن شودر عورت سے نکاح کرے، تو اس صورت میں بچہ شودر ہوگا [19]

---

[18] کتاب الہند البیرونی، ص ۴۶۹، مطبوعہ حیدرآباد، ۱۳۷۷ھ [19] ایضاً ص ۴۷۰

اس اعتبار سے یہ ایک دلچسپ قانون ہے جو طبقاتی فرق و امتیاز کی وجہ سے انسانی مساوات کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر لیبان تحریر کرتا ہے کہ ہندو مذہب میں تعدّد ازدواج جائز تھا (اور یہ) رسم زیادہ تر خوشحال لوگوں میں ہے اور نیچے کے طبقات میں عموماً ایک ہی بیوی ہوتی ہے۔ [20]

ان تصریحات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم ہندو شریعت میں تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں تھی، بلکہ معیار زیادہ تر چار بیویوں کا تھا، جو اسلامی شریعت سے بھی مطابقت رکھتا ہے اور بعض قوانین میں غیر معین حد کا جواز یہودی شریعت سے مشابہت رکھتا ہے، مگر اس باب میں اسلامی شریعت کی خصوصیت اور اس کا اصلاحی اقدام یہ ہے کہ وہ اس تعداد کو سختی کے ساتھ صرف چار تک محدود کرتی ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں میں چند زوجگی کا تناسب

یہ تھا قدیم ہندو مذہب و معاشرے کا ایک مختصر حال، اب جدید معاشرے کی طرف آئیے تو اس میں آج بھی ہمیں تعدّد ازدواج کا رواج مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ نظر آتا ہے، چنانچہ ۱۹۸۱ء کے ایک سروے کے مطابق مسلمانوں میں بیک وقت دو شادیوں (BIGAMY) کا رواج ۳ء۴ فی صد تھا جب کہ ہندوؤں میں ۶ء۵ ہے، بدھ مذہب والوں میں ۸ فی صد ہے اور قبائلی لوگوں میں سب سے زیادہ یعنی ۱۵ فی صد ہے [21]
رجسٹرار جنرل آف انڈیا کی رپورٹ ۱۹۶۱ء کے مطابق جینیوں میں یہ تناسب ۹ فی صد ہے
تمل ناڈو کے ایک سروے کے مطابق تقریباً یہی اعداد و شمار ظاہر ہوتے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ تناسب چار فی صد اور ہندوؤں میں ساڑھے پانچ فی صد ہے [22]۔

نیز حکومت ہند کی منسٹری آف ایجوکیشن اینڈ سوشل ویلفیئر کی ماتحت کمیٹی کی وہ رپورٹ، جو اس نے ۱۹۷۴ء میں ہندوستان میں عورتوں کی حالت سے متعلق پیش کی تھی، اس کی رُو سے ہندوستان میں دو زوجگی کا تناسب مختلف اوقات میں اس طرح تھا:۔

---

[20] تمدن ہند، مترجمہ سید علی بلگرامی، ص ۱۷۴، مطبوعہ دہلی

[21] روزنامہ دکن ہیرالڈ بنگلور، مورخہ ۲۴/۴/۱۹۸۴ء

[22] روزنامہ اسٹیٹمین کلکتہ، مورخہ ۲۸/۹/۱۹۸۴ء، بحوالہ نئی دنیا مورخہ ۱۱/۲/۸۶ء

		۱۹۳۰ — ۱۹۴۰ء فی صد	۱۹۴۱ء — ۱۹۵۰ء فی صد	۱۹۵۱ء — ۱۹۶۰ء فی صد
۱-	قبائلی	۹٫۵۳	۱۷٫۵۳	۱۷٫۹۸
۲-	ہندو	۶٫۷۹	۷٫۱۵	۵٫۰۶
۳-	مسلمان	۷٫۲۹	۷٫۰۶	۴٫۳۱ [۲۳]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں دو زوجگی کا رجحان برابر گھٹ رہا ہے ۔ جو ۱۹۴۰ء کے دہے میں موجود سات فی صد سے گھٹ کر ۱۹۶۰ء کے دہے میں چار فی صد ہوگیا ہے ۔ اس طرح کی متعدد رپورٹوں سے مسلمانوں کے خلاف کئے جانیوالے غلط پروپیگنڈے کا پول پوری طرح کھل جاتا ہے کہ حقیقت اور افواہوں میں کتنا بڑا فرق ہے !

تعدد ازدواج مسلم ممالک میں

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق ایک مشہور ماہر انسانیت (ANTHROPOLOGIST) جارج مرڈاک کی درجہ بندی کی رُو سے ۲۵۰ کلچروں یا معاشروں میں سے ۱۹۳ میں چند زوجگی یعنی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج پایا گیا ہے [۲۴]

نیز ایک دوسرے حوالے میں مذکورہ بالا ماہر (MURDOCK) ہی کی ایک اور رپورٹ (۱۹۴۹ء) کے مطابق دنیا کی ۵۵۴ قوموں میں سے ۴۱۵ میں کثیر زوجگی کا رواج پایا جاتا ہے :

In his comparison of types of marriage in a world wide sample of 554 societies, Murdock (1949) found polygamy in 415 and polygamy in only 4. [25]

اس موقع پر قدرتی طور پر ذہن میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ ہو نہ ہو مسلم ملکوں میں چند زوجگی کا رواج زیادہ پایا جاتا ہوگا ! جی نہیں ، بلکہ حیرت انگیز طور پر مسلم ملکوں میں چند

---

۲۳ ہفت روزہ ریڈینس دہلی ، مورخہ ۲۴/۱۱/۱۹۸۵ء

۲۴ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ۷/۱۵۵ ، ایڈیشن ۱۹۸۳ء

۲۵ Dyer, Everett D., Courtship, marriage and family P.20, Home wood, Illinois (USA), 1983.

زوجگی کی بہ نسبت یک زوجگی کا رجحان ہی زیادہ غالب نظر آتا ہے، چنانچہ برٹانیکا کے مذکورہ بالا بیان کے معاً بعد حسبِ ذیل صراحت موجود ہے:

It is doubtful, however, whether such Islamic countries as Algeria, Tunisia, Egypt and Pakistan should today be classified as polygynous; public opinion there seems now to favour monogamy. 26.

نیز اسی انسائیکلو پیڈیا کے مضمون نگاروں کو اس سلسلے میں مزید اعتراف ہے کہ اسلامی شریعت میں تعدّد ازدواج یعنی ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت کے باوجود اسلامی معاشرے میں ہمیشہ زیادہ تر یک زوجگی ہی کا رواج رہا ہے:

..... the normal practice in Islamic society has always been that of monogamy.

اور ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے تحریر کیا ہے کہ عرب ممالک کے اعداد و شمار کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ شادی کرنے والوں کا تناسب بہت ہی کم ہے جو فی ہزار ایک بھی نہیں ہے (فالاحصاءات التی تنشر عن الزواج والطلاق فی البلاد العربیة الاسلامیة تدل علی أن نسبة المتزوجین باکثر من واحدة نسبة ضئیلة جدًا لا تکاد تبلغ الواحد بالالف [۲۸]

یہ ہے مسلمانوں کی "شہوت پرستی" اور ان کے چار چار شادیاں کرنے کا افسانہ، جس کے باعث عوام کے سامنے ان کی ایک ایسی مہیب اور خیالی تصویر پیش کی جاتی ہے جس کا واقعات کی دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے، معترضین اپنی خیالی تصویروں کے ذریعہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مسلمان گویا کہ اس دنیا کی مخلوق نہیں، بلکہ کسی اور دنیا کی مخلوق ہیں۔

---

26. Encyclopaedia Britannica, Vol. 7, P. 155, 1983

27. Ibid;, Vol. 9, P. 920.

۲۸ المرأة بین الفقة والقانون، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، ص ۱۱۱، بیروت ۱۹۸۴ء

جدید ہندو قانون کے نقائص

جیسا کہ عرض کیا جا چکا، قدیم دور میں اہل ہند میں تعددِ ازدواج کا جواز اور رواج تھا اور یہ رواج ۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ تک بھی برابر باقی رہا مگر ۱۹۵۵ء کے ایکٹ کے ذریعہ ہندو مرد اور عورت دونوں کے لئے بیک وقت ایک سے زیادہ شادی کرنا قانوناً جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کے مطابق ضروری ہے کہ شادی کے وقت فریقین میں سے کسی ایک کے بھی میاں یا بیوی زندہ موجود نہ ہوں، ورنہ دوسری شادی نہ صرف باطل تصوّر کی جائیگی، بلکہ یہ اقدام ہندو مرد اور عورت دونوں کے لئے قابلِ تعزیر جرم قرار پائیگا [۲۹]

اس طرح تعدّد ازدواج کے جواز کا وہ قانون، جو ہزاروں سال سے ہندوستان میں جاری اور رائج تھا، ۱۹۵۵ء کے ایکٹ کے ذریعہ ہندوؤں کے لئے یکلخت منسوخ کر دیا گیا، لیکن اس قانون کی منظوری کے بعد مختلف حلقوں میں اس کی مخالفت میں آوازیں بلند ہوئیں اور راؤ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق اس بات کا خدشہ ظاہر کیا گیا کہ تعدّد ازدواج پر پابندی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ناجائز تعلقات میں اضافہ ہو سکتا ہے بلکہ یہ اقدام تبدیلئ مذہب کا بھی ایک محرک بن سکتا ہے، جیسا کہ رپورٹ میں کہا گیا ہے:-

The arguments of the opponents were that monogamy would lead to increased concubinage and conversion to Islam which permits four wives. They were of the view that "If a man is healthy and wealthy, he should be allowed to marry again" and "why should he be deprived of a right which has been enjoyed by him for three thousand years? [30]

ترجمہ: مخالفین کا استدلال یہ ہے کہ یک زوجگی ناجائز تعلقات میں اضافے اور اسلام کے اختیار کرنے کا باعث بن سکتی ہے، جو چار بیویوں کے رکھنے کی اجازت دیتا ہے، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر ایک آدمی صحت مند اور مالدار ہے تو اسے دوبارہ (دوسری) شادی کرنے کی اجازت ملنی چاہیئے اور اسے اس حق سے کیونکر محروم رکھا جا سکتا ہے، جس کا فائدہ وہ تین ہزار سال سے اٹھا رہا ہے؟

---

۲۹ ماڈرن ہندو لا، ص ۹۶،

30. Bagga, V. (Ed), Studies in the Hindu Marriage and the Special Marriage Acts, P. 261, Bombay 1978.

اور یہ محض ایک خدشہ ہی نہیں بلکہ بعد میں رونما ہونے والے واقعات کے باعث ایک حقیقت ثابت ہوا چنانچہ اس قسم کی متعدد رپورٹیں موجود ہیں کہ اس پابندی کی بناء پر بہت سے لوگوں نے تعدد ازدواج کا فائدہ اٹھانے کے لئے مذہب اسلام میں پناہ لی چونکہ ملک کے قانون کے مطابق تبدیلیٔ مذہب پر کوئی پابندی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے اسباب و محرکات کی چھان بین کا کوئی ذریعہ ہے اور نہ کسی کو اس کا اختیار ہی حاصل ہے بلکہ اس قسم کی چھان بین کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔

when the laws of the country do not prohibit its people to freely renounce their religion and embrace another, the question of motive behind the conversion becomes irrelevant.[31]

غرض ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء کی دفعہ ۱۷ کا اطلاق جسکی رو سے دو زوجگی (BI-GAMY) یعنی بیک وقت دو بیویاں رکھنا، دو ہندوؤں تک محدود ہے جنہوں نے باضابطہ طور پر (ہندو قانون کے پورے رسم رواج کے مطابق) شادی کی ہو اور اس شادی کے وقت زوجین میں سے کسی کا شوہر یا بیوی پہلے سے موجود ہو۔ نتیجہ یہ کہ اس دفعہ کا اطلاق اُس زوج (شوہر یا بیوی) پر نہیں ہوتا جس نے اسلام قبول کر لیا ہو۔

The application of Section 17 of the 1955 Act (Hindu Marriage Act) which provides for punishment of bigamy is limited to two Hindus solemnizing marriage if at the date of such marriage either party had a husband or wife living. Consequently this section shall not apply to a spouse converted to Muslim religion.

اس دفعہ میں ایک قانونی نقص یہ ہے کہ اس میں ایک ہندو کی دوسری شادی کے لئے "باضابطہ" ہونے کی قید لگی ہوئی ہے اور اس سے مراد وہ شادی ہو، جو ہندو دھرم کے

---

31. Bagga, V. (Ed), Studies in the Hindu Marriage and the Special Marriage Acts, P. 282, Bombay' 1978

مطابق پورے رسم ورواج کے ساتھ ادا ہوئی ہو، جس کیلئے اس موقع پر (SOLEMNIZE) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ ہندو مذہب کے مطابق ایسی چند خاص رسمیں ہیں[۳۳]، کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی چھوٹ جائے تو وہ باضابطہ شادی نہیں کہلاتی، لہٰذا دوسری شادی کرلے میاں یا بیوی[۳۴] سزا کے مستحق صرف اسی وقت ہو سکتے ہیں جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ دوسری شادی پورے رسم ورواج کے ساتھ ہوئی تھی۔

Before a person can be found punishable under this Section (Section 17) it is necessary to determine the fact whether there had been a subsequent marriage of a spouse during the lifetime of the other spouse. From that point it has to be determined whether the prior marriage was duly solemnized. In case where either of the two marriages is found to be not duly solemnized the position is that in the eye of the law there is only one legal and valid marriage making the charge of bigamy unsustainable. The word "solemnize" means to celebrate the marriage with proper ceremonies and in due form. It follows therefore that unless the marriage is celebrated or performed with proper ceremonies and in due form it cannot be said to be solemnized.[35]

---

[۳۳] ماڈرن ہندو لا، ص ۸۰، مطبوعہ الہ آباد، ۱۹۸۲ء، مصنفہ ڈاکٹر پارس دیوان

[۳۴] پہلے ہندو معاشرے میں قانوناً تو نہیں، بلکہ رواجی طور پر عورت بھی متعدد شوہروں والی ہوا کرتی تھی، لہٰذا کثیر زوجگی (POLYGAMY) کے ساتھ ساتھ کثیر شوہری (POLYANORY) کو بھی روکنے کے لئے یہ قانون بنایا گیا ہے۔

35. Desai Kumud, Indian Law of marriage divorce, Fourth Edition P.103, Bombay '1981

اس اعتبار سے اگر ایک شادی "باضابطہ" اور دوسری "بے ضابطہ" ہو جائے، تو اس صورت میں قانون کچھ بھی نہیں کر سکتا، بلکہ اس سلسلے میں زوجین کا مجرد اقبال بھی انہیں قانون کی گرفت میں نہیں لا سکتا کہ انہوں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اس طرح ایک ہندو کے لئے اب دوسری شادی پر قانوناً پابندی عائد ہونے کے باوجود، اُسے پوری پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ اس قانونی نقص کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یا تو حیلہ سازی اختیار کرے، یعنی کسی ضروری رسم کو ادا نہ کرے یا پھر وہ اسلام کی آغوش میں پناہ لے۔ اس طرح یہ دو دروازے ہر ہندو کے لئے پوری طرح کھلے ہوئے ہیں لہٰذا اب اُسے قانون کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ وہ اس معاملے میں بالکل بے اثر بن کر رہ گیا ہے

یکساں سول کوڈ کا ایک پس منظر

اصل میں یہ ہندو قانون کا اتنا بڑا نقص ہے کہ وہ اس کی بناء پر آج صحیح معنی میں ایک دوراہے پر کھڑا ہوا ہے اور ہندو قانون دان حیران ہیں کہ اس "نئی افتاد" کا کیا کیا جائے؟ ایک طرف وہ مغرب کی پیروی میں تعدّد ازدواج پر پابندی بھی لگانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اپنے مذہب و قانون کے نقائص بھی دور کرنا چاہتے ہیں، مگر جیسے جیسے وہ "اصلاح" کی طرف بڑھ رہے ہیں، ویسے ویسے وہ مزید مشکلات سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ اب قانون دانوں کا ذہن ماؤف ہو چکا ہے اور عقل کام نہیں کر رہی ہے، لہٰذا اب اس کے سامنے بس ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہندوستان میں یکساں (یونیفارم) سول کوڈ نافذ کر کے "جھگڑا" ختم کر دیا جائے، چنانچہ اس سلسلے میں ماہرین قانون حکومت کو جو مشورہ دے رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ وہ ان نقائص کو دور کرنے کے لئے فوراً یکساں مدنی قانون (یونیفارم سول کوڈ) پورے ملک میں نافذ کر دے تاکہ اس باب میں ہندو، مسلمان، عیسائی اور پارسی سب برابر ہو جائیں اور پھر کسی کو "اِدھر اُدھر" ہونے کی گنجائش ہی نہ رہ جائے۔

نیز اس سلسلے میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ جب تک یکساں سول کوڈ نافذ نہ ہو جائے، اس وقت تک بعض ایسے قوانین کا سہارا لینا چاہیئے جنکی بناء پر تبدیلیٔ مذہب پر پابندی عائد ہو، تاکہ کوئی پہلی شادی کے برقرار رہتے ہوئے دوسری شادی نہ کر سکے، جیسا کہ ایک قانون دان نے حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

Until uniform rules of monogamy are enacted for the Country, provisions may be made by statutory enactment (باقی ص۴۴ پر)

ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
رُوح افزا
تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال۔
ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
رُوحِ پاکستان۔ رُوح افزا
راحتِ جان۔ رُوح افزا
خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے
ADARTS
HMD-6/87

مولانا زاہدالراشدی صاحب
ڈپٹی سکریٹری جنرل جمعیۃ علماء اسلام

مرزا طاہر احمد کے نام کھلا خط

مرزا طاہر احمد کے مباہلے کا چیلنج جناب مدیر الحق مولانا سمیع الحق کے نام موصول ہوا۔ لکھا ہے کہ " آپ (مولانا سمیع الحق) کا شمار بھی ان معاندین احمدیت میں ہوتا ہے جو بانیٔ سلسلۂ عالیہ احمدیہ اور آپ کی جماعت کے خلاف سراسر جھوٹے اور شرانگیز پروپیگنڈے کی مہم جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اور بلاخوف خدا جماعت کی تکفیر اور تکذیب پر کمربستہ ہیں۔ اور آپ بدستور اپنے معاندانہ مؤقف پر قائم ہیں لہذا آپ کو بھی دعوت مباہلہ ہے "

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ سفر حج پر تشریف لے جاچکے ہیں۔ الحق کے خصوصی وقائع نگار جناب رستم علی چوہدری مرزا طاہر کے مباہلہ کی حقیقت بےنقاب کرتے ہیں۔ اور جمعیۃ علماء اسلام کے ڈپٹی سکریٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی مرزا طاہر کے نام مکتوب مباہلہ کے جواب میں کھلا خط لکھ کر مرزائیت کے ناپاک عزائم، ان کے دعوت مباہلہ کا تاریخی پس منظر، مکر و فریب کے نئے سیاسی چالوں اور ان کے مذموم مقاصد سے پردہ اٹھاتے ہیں (ع ق ح)

جناب مرزا طاہر احمد صاحب۔ سربراہ قادیانی جماعت۔

السلام علی من اتبع الہدی

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان مرکزی سیکرٹری جنرل اور ماہنامہ الحق کے مدیر (مولانا) سمیع الحق اور ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور کے ایڈیٹر مولانا زاہد الراشدی کے نام لندن سے رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعہ آپ کی طرف سے مباہلہ کے اس مطبوعہ چیلنج کی ایک کاپی موصول ہوئی ہے جو پاکستان کے متعدد دیگر حضرات کو بھی بھجوائی گئی ہے اس مطبوعہ دعوت مباہلہ کا عنوان یہ ہے:۔

"جماعت احمدیہ عالمگیر کی طرف سے دنیا بھر کے معاندین اور مکفرین کو مباہلہ کا کھلا چیلنج!"

اس کے ساتھ ساتھ قادیانی جماعت کی برطانیہ شاخ کے پریس سیکرٹری رشید احمد چودھری کے دستخط کے ساتھ ایک الگ چٹھی بھی ملفوف ہے جس میں مباہلہ کے اس چیلنج کے پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا گیا ہے کہ

"اگر آپ بدستور اپنے معاندانہ مؤقف پر قائم ہیں تو آپ کو جماعت احمدیہ کی طرف سے باقاعدہ دعوت دی جاتی ہے کہ آپ اس چیلنج کو بغور پڑھ کر پوری جرأت کے ساتھ اس کو قبول کرنے کا اعلان عام کریں اور ہر ممکنہ ذریعہ سے اس کی تشہیر کریں"

یہ دعوت مباہلہ سرکردہ حضرات کو بھجوانے کے علاوہ آپ کی جماعت نے پاکستان کے مختلف شہروں میں اس کی عام تقسیم کا بھی اہتمام کیا ہے۔ اس لئے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس کھلے خط کے ذریعے آپ کی دعوت مباہلہ کا جواب دیا جائے تاکہ عام مسلمان بھی جن تک اس مباہلہ کی کاپیاں مختلف ذرائع سے پہنچائی گئی ہیں اس کی حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔

ہمارے نزدیک اس نئی مہم کا اصل پس منظر یہ ہے کہ سیالکوٹ کے مبلغ ختم نبوت مولانا محمد اسلم قریشی کے اغوا کے بعد ان کے اغوا کے کیس میں آپ کو شامل تفتیش کرنے کے عوامی مطالبہ کے باعث آپ نے پاکستان چھوڑ کر لندن چلے جانے میں عافیت سمجھی اور اسی وجہ سے اب تک وہیں قیام پذیر ہیں۔

لیکن آئندہ سال قادیانی جماعت کے صد سالہ جشن کو اپنے عزائم اور خواہشات کے مطابق منانے کے لئے پاکستان واپسی کو آپ ناگزیر سمجھ رہے ہیں۔ اور اسی واپسی کی راہ ہموار کرنے کی غرض سے مولانا محمد اسلم قریشی کی اچانک برآمدگی کا ڈرامہ رچانے کے علاوہ دعوت مباہلہ کی وسیع پیمانے پر تقسیم واشاعت کی جا رہی ہے جس کا مقصد تحریک ختم نبوت کے قائدین کے خلاف نفرت پھیلا کر پاکستان کی رائے عامہ کو تذبذب اور بے یقینی کا شکار رہنا ہے تاکہ وطن واپسی کی صورت میں آپ کو اس ردعمل سے دوچار نہ ہونا پڑے جس کا خوف آپ کو ابھی تک لندن میں روکے ہوئے ہے ورنہ اس مرحلہ میں مباہلہ کے نئے چیلنج اور اس کی اس پیمانے پر تشہیر وتقسیم کی کوئی اور وجہ نظر نہیں آتی۔

جہاں تک مباہلہ کی دعوت کا تعلق ہے اس بات کو آپ بھی بخوبی سمجھتے ہیں کہ اس عنوان کا مقصد عام لوگوں کو فکری تذبذب اور انتشار کا شکار بنانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ورنہ مناظروں اور مباہلوں کے مراحل سے آپ کی جماعت کئی بار گذر چکی ہے اور انہی کے نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے پہلے بھی آپ کی جماعت نے مناظرہ اور مباہلہ کے میدان میں نہ آنے کی پالیسی ایک عرصہ سے اختیار کر رکھی تھی۔

مباہلہ کا چیلنج آپ کے آنجہانی دادا مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی زندگی میں کئی حضرات کو دیا تھا اور ہر بار ناکامی ان کے حصہ میں آئی۔ ان میں آخری اور فیصلہ کن مباہلہ کا حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جس کا چیلنج مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۹۰۷ء میں تحریک ختم نبوت کے ممتاز راہنما اور معروف اہلحدیث عالم دین مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیا تھا۔ یہ چیلنج ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ دیا گیا جس کا عنوان تھا:۔

"مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ"

اور اس میں مرزا صاحب آنجہانی نے مولانا ثناء اللہ امرتسری سے مخاطب ہو کر لکھا تھا کہ

" اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ آپ اکثر اوقات اپنے ہر پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا، اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ کے امراض مہلکہ سے۔"

یہ مباہلہ کا آخری چیلنج تھا جو مرزا غلام احمد قادیانی نے دیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا صاحب اس سے صرف ایک سال بعد ہیضہ کی بیماری سے انتقال کر گئے۔ جب کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری اس کے بعد کم و بیش چالیس سال تک بقید حیات رہے اور قادیانیت کے خلاف مسلسل مصروف عمل رہے۔

ممکن ہے آں جناب اس سلسلہ میں اپنی جماعت کی اس گھسی پٹی دلیل کا سہارا لیں کہ مرزا قادیانی آنجہانی کی ہیضہ کی بیماری سے وفات کی بات درست نہیں ہے اس لئے کہ مرزا صاحب آنجہانی کے خسر میر نواب ناصر کی خود نوشت سوانح حیات سے یہ اقتباس نقل کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جس میں نواب ناصر نے مرزا صاحب کی وفات سے پہلے کا حال ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:۔

"حضرت صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا "میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے" اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے روز دس بجے آپ کا انتقال ہو گیا"

اس فیصلہ کن مباہلہ کے بعد اب مزید کسی مباہلہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی جماعت نے اس کے بعد مباہلہ کے میدان سے ہی کنارہ کشی اختیار کر لی حتیٰ کہ تحریک ختم نبوت کے ایک ممتاز راہنما مولانا منظور احمد چنیوٹی کی طرف سے مباہلہ کا چیلنج ابھی تک آپ کی جماعت کے ذمہ قرض چلا آرہا ہے جو انہوں نے آپ کے آنجہانی والد مرزا بشیر الدین محمود کو ان کی سربراہی کے دور میں دیا تھا اور یہ چیلنج انفرادی حیثیت سے نہیں تھا۔ بلکہ ملک کی چار اہم دینی جماعتوں، جمعیت علماء اسلام پاکستان۔ مجلس تحفظ ختم نبوت، جمعیت اشاعت التوحید والسنہ پاکستان اور تنظیم اہلسنت پاکستان کے قائدین حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، حضرت مولانا محمد علی جالندھری، حضرت مولانا غلام اللہ خان اور حضرت مولانا دوست محمد قریشی نے، مولانا چنیوٹی کو اپنی جماعتوں کا نمائندہ قرار دے کر ان کی فتح و شکست کو اپنی فتح و شکست

تسلیم کرنے کا تحریری اعلان کیا تھا۔

یہ چیلنج مرزا بشیر الدین محمود کو رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعہ متعدد بار بھجوانے کے علاوہ مذکورہ بالا رسائل کی تائید و توثیق کے ساتھ مطبوعہ صورت میں بھی مسلسل تقسیم اور شائع ہوتا رہا ہے۔ مگر آپ کے آنجہانی والد نے آخر دم تک اس چیلنج کو قبول نہیں کیا اس کے بعد یہ چیلنج ان کے جانشین اور آپ کے بڑے بھائی مرزا ناصر احمد کو بھجوایا گیا۔ انہوں نے بھی قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ کے سربراہ بننے کے بعد آپ کو تسلسل کے ساتھ بھجوایا جا رہا ہے۔ مگر آپ نے بھی اسے قبول کرنے کی بجائے اپنی طرف سے مباہلہ کا نیا چیلنج دے دیا ہے۔ جو اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ اصل مقصد مباہلہ نہیں بلکہ اس کے پردے میں کچھ اور مقاصد کا حصول ہے۔

جناب مرزا طاہر احمد صاحب! اگر آپ کا مقصد صرف مباہلہ ہوتا تو اس کے لئے اس قدر تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں تھی محض یہ عنوان کافی تھا کہ قادیانی مذہب کے حق و باطل ہونے پر مباہلہ کر لیا جائے۔ باقی تمام تفصیلات اس اصولی بات کے ضمن میں خود بخود آ جاتی ہیں۔ مگر آپ نے دعوت مباہلہ کے حوالہ سے بہت سی ایسی باتوں کو الزامات قرار دے کر انہیں متنازعہ اور مشکوک ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن کا حقیقت اور واقعہ ہونا کئی بار ناقابل تردید دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔

آپ کی دعوت مباہلہ میں جن امور کو الزامات قرار دے کر ان کی صداقت کو مشکوک ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان سب کی نوعیت یکساں ہے مگر ان میں سے بطور نمونہ چند امور کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ ان کے "الزام" یا "حقیقت" ہونے کی بات پوری طرح واضح ہو سکے۔

مرزا قادیانی کا دعویٰ خدائی آپ نے مباہلہ کے چیلنج میں لکھا ہے کہ یہ بات قادیانی جماعت پر الزام ہے کہ مرزا قادیانی نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر یہ الزام نہیں خود مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی عبارت کا خلاصہ ہے جو انہوں نے یوں تحریر کی ہے کہ:۔

"میں نے اپنے تئیں خدا کے طور پر دیکھا اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں وہی ہوں جس نے آسمان تخلیق کیا" (آئینہ کمالات نمبر ۵۶۴)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ آپ نے اس بات کو بھی الزامات میں شمار کیا ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا غلام احمد قادیانی کا رتبہ (معاذ اللہ) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے۔ مگر جناب یہ بھی الزام نہیں حقیقت ہے اور آپکے اخبار "پیغام صلح" ۱۴ مارچ ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں شائع ہونے والے یہ اشعار اس کی گواہی دیتے ہیں کہ: ؎

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

ختم نبوت کا انکار | آپ نے اس حقیقت کو بھی الزام قرار دینے کی کوشش کی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے سے انکار کیا ہے اور خود نبوت کا دعویٰ کر کے عقیدہ ختم نبوت کی نفی کی ہے مگر آپ کے آنجہانی دادا مرزا غلام احمد قادیانی نے خود اس کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ صرف تین حوالے ملاحظہ کریں۔

۱۔ "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں" (اخبار بدر ۵ بدر ۱۹۰۸ء)

۲۔ "جو شخص مجھ پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے" (حقیقۃ الوحی صہ ۱۶۳)

۳۔ "مجھے وحی میں محمد رسول اللہ قرار دیا گیا ہے" (ایک غلطی کا ازالہ)

انگریز کے کہنے پر جہاد کی مخالفت | جناب مرزا طاہر احمد صاحب! آپ نے اس حقیقت کو بھی الزام کا عنوان دے کر دھندلا کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرزا غلام احمد نے فرنگی حکمرانوں کے اشارے پر جہاد کی مخالفت کی تھی اور باشندگان وطن کو فرنگی سامراج کے خلاف جہاد اور تحریک آزادی سے روکنے کی مہم چلائی تھی مگر یہ بھی الزام نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف مرزا صاحب آنجہانی نے اپنی تحریروں میں جا بجا کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

" میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گذرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزوں کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں (تریاق القلوب صہ ۲۵)

ایک اور جگہ مرزا صاحب یوں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ

" بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ سو یاد رہے کہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کیسا؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے"

(شہادۃ القرآن صہ ۳)

جب کہ پنجاب کے انگریز گورنر کے نام ایک درخواست میں مرزا صاحب رقم طراز ہیں:۔

" صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار، جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے

بیحد خیر خواہ اور خدمت گذار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے۔" (تبلیغ رسالت ج ۷ ص ۱۹)

پاکستان کے خلاف آپ نے اس امر واقعہ پر بھی "الزام" کے عنوان سے پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ قادیانی جماعت پاکستان بن جانے کے بعد بھی اسے قبول نہیں کیا۔ اور اس خداداد مملکت کو ختم کرکے دوبارہ متحدہ بھارت کا قیام اس جماعت کے مقاصد میں شامل ہے مگر آپ کے آنجہانی والد مرزا بشیر الدین محمود کا یہ اعلان آپ ہی کے جماعتی اخبار "الفضل" کے ریکارڈ کا آج بھی حصہ ہے کہ

"یہ اور بات ہے کہ ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے۔ اور پھر کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح متحد ہو جائیں۔" (الفضل ۱۷ مئی ۴۷)

اسرائیل کے ساتھ تعلقات آپ نے اسرائیل کے ساتھ اپنی جماعت کے تعلقات اور اسرائیل میں قادیانی مشن کی موجودگی کو بھی "الزام" قرار دیا ہے۔ مگر دیگر شواہد سے قطع نظر پاکستان کے موقر اخبار روزنامہ نوائے وقت لاہور نے ۱۹ جنوری ۸۶ء کے اخبار میں اسرائیل کے صدر کے ساتھ قادیانی جماعت کی اسرائیل شاخ کے سابق صدر شیخ محمد شریف کی تصویر شائع کرکے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا ہے جس میں شیخ محمد شریف اسرائیل میں قادیانی مرکز کے نئے سربراہ شیخ حمید کا تعارف کرا رہے ہیں۔

اسلم قریشی کا اغوا کیس جناب مرزا طاہر احمد صاحب! آپ نے اپنی اس مطبوعہ دعوت مباہلہ کے ذریعہ مولانا محمد اسلم قریشی کے اغوا کے الزام سے بھی دامن چھڑانا چاہا ہے۔ اور اسی مقصد کے لئے مباہلہ کے چیلنج کے ساتھ ساتھ مولانا اسلم قریشی کی اچانک برآمدگی کا ڈرامہ بھی رچایا گیا ہے۔ مگر آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ تیر جو آپ کی کمان سے نکل چکا ہے اپنے ہدف کی صلاحیت، چمک اور حرارت کی تاب نہ لاکر آپ ہی کی طرف واپس آ گیا ہے۔ کیونکہ مولانا محمد اسلم قریشی نے برآمدگی کے بعد ۳۰ جولائی کو سیالکوٹ کے مجسٹریٹ [illegible] ۔ ۔ ۔ ست میں یہ بیان دے کر سارے ڈرامے کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا ہے کہ

"مجھے مرزا طاہر احمد نے اغوا کرایا تھا اور میں مسلسل قادیانیوں کی حراست میں رہا ہوں مجھ پر تشدد کیا جاتا رہا ہے۔ مجھے تہ خانوں میں رکھا گیا ہے۔ ان میں اسلحہ کے ذخیرے موجود ہیں۔ مجھ سے آئی جی پولیس کی پریس کانفرنس میں جو بیان دلوایا گیا ہے وہ میرا نہیں بلکہ پولیس کا بیان ہے۔ اور میں اپنی رہائی اور مرزا طاہر احمد کی گرفتاری کے بعد سارے حقائق سے پردہ اٹھاؤں گا۔" (بحوالہ جنگ لاہور ۳۱ جولائی ۸۸ء)

آپ کے ذکر کردہ الزامات میں سے چند کا بطور نمونہ حوالہ دینے کے بعد اب "دعوت مباہلہ" کی طرف آتے ہیں جسے پاکستان کے متعدد علماء اور راہنماؤں نے قبول کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل دو حضرات بطور
(باقی ص ۵۴ پر)

ٹی سی پی
ایک کامیاب بین الاقوامی رابطہ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک آپکو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے
کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے)
ڈرانے والے ہیں اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ اور
آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

O Prophet ! truly We have sent thee
as a Witness, a Bearer of glad
tidings, and a Warner, and as
one who invites to Allah's (Grace)
by his leave. And A Lamp Spreading Light

Karachi Port Trust

The Port of Pakistan

چوہدری رستم علی صاحب

مرزا طاہر احمد کا چیلنج مباہلہ

جون ۱۹۸۸ء کے آخری ہفتے میں قادیانی جماعت کے بھگوڑے سربراہ نے دنیا کے مقتدر علماء و صلحاء خصوصاً پاکستان کے علماء کو مباہلے کا چیلنج دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کی حمایت میں عظیم الشان نشان دکھانے والا ہے۔ یہ خدا کے غضب کی تجلی دکھانے کے خاص دن ہیں اور مباہلہ کا چیلنج آخری چیلنج ہے۔ جس کے بعد حجت کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے عوام کو نصیحت کی کہ وہ مخالفین کے ہمنوا نہ بنیں تاکہ وہ عذاب سے بچ سکیں۔ مرزا طاہر نے مباہلہ کے اس چیلنج کو ان علماء اور سربراہوں کو روانہ کر دیا ہے۔ جو ایک گروہ، طبقہ یا جماعت کے نمائندہ ہیں۔ اس میں انہوں نے مرزا غلام احمد کے دعوے اور مخالفین کے بعض الزامات کا ذکر کیا ہے اور خدا کے عذاب کی وعید طلب کی ہے۔ مخدوم محترم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے نام مرزا طاہر کا خط موصول ہو گیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی زندگی میں مباہلے کا کھیل کھیلا اور تمام عمر منہ کی کھانے اور سخت ذلت اٹھانے کے باوجود اپنی جیت اور کامیابی کا اعلان کرتا رہا۔ کسی مخالف عالم نے چاہے اس کے چیلنج کو قبول نہ بھی کیا لیکن جب بھی وہ طبعی طور پر وفات پا گیا مرزا قادیانی نے کہہ دیا کہ وہ مباہلے کے نتیجے میں مر گیا۔ ان گھٹیا پست اور سستے طریقوں سے اس کذاب نے اپنے دعوؤں کو آگے بڑھایا اور اعلان کیا کہ پہلے پہل وہ مسلمانوں کے ساتھ مباہلے کو جائز نہ سمجھتا تھا لیکن اب (۱۸۹۹ء میں) خدا نے اس کو بتایا کہ اس کی تکذیب کرنے والے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں اس لئے وہ ان سے مباہلے کو جائز سمجھتا ہے۔ اس نے ہندوستان کے مقتدر علماء اور صلحاء کو خطوط لکھ کر اکسایا اور برطانوی سامراج کے ذلیل آلہ کار کے طور پر ملت اسلامیہ کو انتشار اور افتراق کا شکار کرنے کے مکروہ ہتھکنڈے اختیار کیے۔

اسلامی تاریخ میں مباہلے کا ایک مخصوص پس منظر، طریق اور مقصد تھا اس کو جس انداز سے مرزا قادیانی نے اپنے کذب کے لئے استعمال کیا اور اپنے مذموم مقاصد کی بجا آوری کے لئے مباہلہ کو جس طرح سے آڑ بنایا گیا وہ اس کے کذاب اعظم ہونے پر صریح دلالت کرتا ہے۔ مرزا طاہر احمد کو یاد ہوگا کہ ان کے دادا مرزا قادیانی نے آج سے ۸۰ سال قبل مباہلے اور دعا کے ذریعے اپنے کذاب ہونے کا فیصلہ کرا لیا تھا۔ اس نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو مولانا ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کر کے دعا کی کہ اگر وہ مفسد و کذاب ہے تو مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں خدا اسے ہلاک کرے۔ مولوی ثناء اللہ

زندہ رہا۔ اور مرزا قادیانی ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو واصل جہنم ہوا۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کے خلاف ایک طرح کی دعا اور مباہلہ کیا اور ڈاکٹر صاحب کے کہنے کے مطابق ۴ راگست ۱۹۰۸ء تک مرگیا۔

قادیانیوں کے سربراہ کو مباہلے کا چیلنج دیتے وقت گریبان میں منہ ڈالنا چاہئے تھا۔ اول تو مرزا قادیانی کی اپنی تحریرات اس کے دعاوی اور اس کے علامات کو ایک صحیح العقل شخص کسی طور پر ماننے کو تیار نہیں ہو سکتا۔ اس صاف صریح اور کھلم کھلا جھوٹ کو جو عقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا اور جس کو تحریک اور مذہب کا رنگ دینے میں برطانوی سامراج اور یہودی شاطروں نے گہرا کردار ادا کیا جس کے شواہد موجود ہیں مباہلے کی آڑ میں پیش کرنا فریب کاری سے کم نہیں۔ دوم یہ کہ مرزا طاہر مباہلے کو ایک آڑ کے طور پر استعمال کر کے دراصل وہ مندرجہ ذیل مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وگرنہ وہ سمجھتا ہے کہ کس بات کے لئے وہ مباہلہ کر رہا ہے۔

(۱) ۱۹۷۴ء کے بعد پاکستان اور عالم اسلام میں قادیانیت کے خلاف جو ردِ عمل پیدا ہوا ہے اور جس طرح سے اس سیاسی تحریک کے اسرائیل و سامراج نواز پہلو سامنے آئے ہیں۔ اس کے بعد قادیانیت کو آڑ بنا کر مرتد بنانے کی رفتار کم ہو گئی ہے مرزا طاہر مباہلے کی آڑ میں ارتداد کی مہم چلانا چاہتا ہے۔

(۲) خدام الاحمدیہ کے جوان قادیانی پاکستان میں عوام کی طرف سے اٹھائی گئی تحریکوں اور مرزا قادیانی کے کردار کے بارے میں مخالفین کے لٹریچر کو پڑھنے کے بعد یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ قادیانیت مذہب نہیں مذہب سے مذاق ہے اور سراسر سیاست ہے وہ اس جہالت سے طبعاً بیزار ہیں۔ اگرچہ بظاہر خاموش ہیں۔ مرزا طاہر ان پر اپنا رعب جمانے اور اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے مباہلے کو استعمال کر رہا ہے۔ اس کے خیال میں اس طریقے سے جماعت کی گرتی ساکھ کو قادیانیوں میں قائم رکھا جا سکے گا۔

(۳) پاکستان کے علماء کو مباہلے کی آڑ میں مخاطب کر کے ظاہر کیا جائے گا کہ مرزا طاہر اپنے عقیدے پر الہٰی سند رکھتے ہیں اس طرح علماء کی تحقیر کی جائے گی۔ اور قادیانی اپنی مجلسوں میں اپنے سربراہ سے مزید وابستگی کا اظہار کریں گے اور چندوں کے دھندے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔

(۴) مباہلے میں جن امور کو مرزا طاہر نے پیش کیا ہے اُن میں بڑی لچک موجود ہے اگرچہ وہ ۱۹۸۴ء کے بعد مرزا قادیانی کی نبوت، مسلمانوں کی تکفیر، جیسے معاملات میں قدرے نرم رویہ اختیار کئے ہوئے ہے لیکن مباہلے کے چیلنج سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ دنیائے اسلام کے نوّے کروڑ مسلمانوں کو مطلق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہے جن سے رشتہ ناطہ خدا کے حکم سے منع ہے۔ ان کے امام کے پیچھے عبادت منع ہے اور ان کے بچوں تک کے جنازے میں شرکت نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح مسلمانوں کے کافر ہونے کا اس نے حتمی اعلان کر دیا ہے اور ان کے پکے غیر مسلم نافرمان اور قادیانی نبوت کے مکذب سمجھتے ہوئے یہ چیلنج داغا ہے کہ اس کو اس ناپاک جسارت سے پہلے سوچنا چاہئے تھا

کہ وہ سامراج کے ایجنٹ، یہودیوں کے پروردہ، فاتر العقل، برطانوی افسروں کے بوٹوں کے تلے چاٹنے والے شخص کے کذب و افترار کے ثبوت کے لئے واقعاتی، تاریخی اور دیگر ان گنت شہادتوں کو نظر انداز تو نہیں کر رہا اور امت مسلمہ کی توہین کا مرتکب تو نہیں ہو رہا۔

(۵) مرزا طاہر سستی شہرت کا خواہاں ہے اس نے اپنے باپ مرزا محمود کی زندگی میں اقتدار کی تمنا کی۔ اپنے بھائی ناصر احمد کے زمانے میں اپنے آپ کو جماعت میں نمایاں کرنے کے جتن کئے اور آخر اپنے بھائی رفیع احمد کو ذلیل ترین حربوں سے ناکام کرکے ربوہ کی گدی اور دولت پر قابض ہو گیا۔ اس نے مباہلے کو سستی شہرت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہوئے اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے ایک چال چلی ہے ورنہ اس کو اپنے گھر کے تمام حالات سے مکمل طور پر آگاہی ہے۔

ہم مرزا طاہر سے پوچھتے ہیں کہ اس کے باپ مرزا محمود نے اپنی پوری زندگی مباہلے سے کیوں گریز کیا؟ وہ مباہلے کے نام سے لرزتا رہا۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا عبدالکریم مباہلے والے نے اور اس کے بعد متعدد لوگوں نے اس کو مباہلے کے چیلنج دئے لیکن وہ ان سب کے جواب میں خاموش رہا اور کبھی بھی سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ مولانا کریم نے ایک اخبار مباہلہ جاری کیا جس میں مرزا محمود کی عیاشیوں، بداعمالیوں، جنسی بے راہ رویوں کے ناقابل تردید ثبوت پیش کئے اور مباہلے کا ہر بار چیلنج دیا۔ لیکن اس کو سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ۱۹۳۷ء میں عبدالرحمن مصری اور اس کے رفقاء نے مباہلے کے لئے للکارا لیکن مرزا محمود فرار اختیار کر گیا۔ یہ ایک انتہائی دلچسپ امر ہے کہ ۱۹۴۶ء میں مرزا محمود نے اکابرین احرار کو مباہلے کا چیلنج دے ڈالا جو ایک مخصوص سیاسی چال تھی۔ جب احراری زعماء قادیان جانے کے لئے تیار ہوئے اور مباہلے کو قبول کر لیا تو مرزا محمود اپنے برطانوی آقاؤں کے پاس دوڑا اور قادیان میں اجتماع پر پابندی لگوا دی اور اپنا چیلنج واپس لے لیا۔

مرزا طاہر کو یہ بھی یاد ہو گا کہ اس کی جماعت کے مقتدر احمدیوں نے اس کے باپ کو ۱۹۵۶ء میں مباہلے کے لئے للکارا۔ عبدالمنان عمر، عبدالوہاب (پسران حکیم نوردین) ملک عزیز الرحمن۔ پروفیسر فیضی۔ راجہ بشیر رازی، چوہدری غلام رسول۔ چوہدری عبدالحمید ڈاڈا۔ یونس ملتانی۔ راحت ملک۔ عبدالرب برہم۔ عبداللطیف بیگم پوری صلاح الدین ناصر۔ محمد علی اجمیری وغیرہ سے مباہلہ کرنے میں کیا عذر تھا۔ جس شخص کا باپ مباہلے کے نام سے بھاگتا رہا اور جس کا دادا اسی چیلنج کا شکار ہوا اس کا بیٹا آج اٹھ کر چیلنج دے رہا ہے۔ اسے ستم ظریفی ہی کہا جا سکتا ہے۔

مرزا طاہر کو معلوم ہو گا کہ قادیانی جماعت کے کئی لوگوں نے عقائد کے معاملے میں مرزا محمود اور مرزا بشیر احمد والد ایم ایم احمد کو سینکڑوں مرتبہ چیلنج دئے ان میں خواجہ محمد اسماعیل کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ جو نبوت، رسالت اور مسیحیت کا دعوے دار تھا اور وحی و الہام کی بنیاد پر قادیانیوں کو للکارتا تھا۔ لندن سے اس نے متعدد اشتہار

شائع کئے اور دعوت مباہلہ کے نام سے ایک اشتہار ۱۲؍اکتوبر ۱۹۶۲ء کو شائع کیا جس میں مرزا محمود اور مرزا بشیر کو مخاطب کر کے کہا:-

"سو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ان دونوں کو کھلی مباہلہ کی دعوت دیتا ہوں کہ میری مقدس جماعت کے مقابلے پر جنہیں میں نامزد کروں وہ اپنے دو سو تک افراد لے آئیں اور پھر فریقین ایک دوسرے کو اپنے عقائد سے بخوبی واقف کر دیں جس کے بعد یہ ۲۲۰ - افراد مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حق و باطل میں خود فیصلہ کرے"

(اشتہار خواجہ محمد اسماعیل ۱۲؍اکتوبر ۱۹۶۲ء، لندن جماعت السابقون منڈی بہاؤالدین گجرات)

مرزا طاہر کو معلوم ہے کہ اس کا باپ اور چچا تمام عمر لندن کے نبی کے سامنے آنے سے گریز کرتے رہے اتنی سیاہ تاریخ ہونے کے باوجود آج مرزا طاہر مباہلے کا چیلنج دے رہا ہے حالاں کہ اس کا مصلح موعود باپ علماء حق اور اپنی جماعت کے لوگوں کے سامنے مباہلے کے نام سے تھر تھراتا رہا۔

قادیانیوں میں جو چھوٹے مدعیان نبوت و رسالت تھے ان میں ایک حکیم نذیر احمد برق بھی تھا۔ اس نے مرزا قادیان کے خاندان کے تقریباً تمام لوگوں بشمول مرزا طاہر مباہلے اور دعا کے مقابلے کے لئے للکارا لیکن اس میں سے کسی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ایوب کے عہد میں مولانا منظور احمد چنیوٹی نے مرزا محمود کو مباہلے کے لئے بلایا لیکن ربوہ کے فریب کاروں نے عذر پیش کر دیا کہ مولانا کسی جماعت کے نمائندہ نہیں اس لئے مباہلہ نہیں ہو سکتا۔

مرزا طاہر صاحب مباہلے کے چیلنج بھیجنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لے لو ان سیاسی قلابازیوں اور مذہب کے نام پر کی گئی فریب کاریوں کا جماعت کے افراد پر تو اثر ہو سکتا ہے لیکن علمائے حق اور اسلامیان ملت ان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے وہ علی وجہ البصیرت جانتے ہیں کہ قادیانیت کی تحریک ایک اسلام دشمن فریب کار سیاسی آلہ کار مغل زادے نے برطانوی سامراج کے سیاسی مقاصد کی تکمیل اور اپنی مادی فلاح کے لئے چلائی اس نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو کافر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اسلام کی اعلیٰ اقدار کو نقصان پہنچایا مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کو مخدوش کیا۔ یہودیوں کو امداد بہم پہنچائی۔ اسلامی شعائر کی توہین کی اور اس کے متوازی ادارے قائم کئے۔ اکابرین ملت کی توہین و تذلیل کی حریت پسندوں کو گالیاں دیں اور برطانوی آقاؤں کے بوٹوں کے تسمے کھولے۔ یہ اتنے کھلے حقائق ہیں کہ ان کیلئے کسی مباہلہ کی ضرورت نہیں۔ مباہلے کی جہاں ضرورت تھی وہاں تو آپکا باپ بھی چپ رہا اور نہایت گھناؤنے اخلاقی اور جنسی الزامات کی بریت کے بغیر مر گیا اس وقت آپ کو غیرت ہوتی تو مباہلہ کے لئے سامنے آتے خاندان "نبوت" کی آن بچانے۔ مرزا بشیر پر لگائے گئے اخلاقی جرائم کے لئے مباہلہ کرنیوالوں کو کہتے کہ وہ انکی بریت کیلئے تیار ہیں اور دور کیوں جائیں اب بھی قادیانیوں میں سے بعض واقفان راز خود آپ سے بعض امور پر مباہلہ کرنے کو تیار ہیں بہتر ہو گا کہ ان کو بھی اپنے چیلنج کی کاپیاں ارسال کریں وہ قصر خلافت کے کئی سربستہ راز بیان کرنے کیلئے بیتاب ہیں یہ مباہلہ ان کیلئے اظہار حقیقت کا موجب بنے گا۔ کہئے آپ تیار ہیں۔

بسلسلہ

ارباب علم وکمال

اور پیشۂ رزق حلال

قسط ۱۰

مولانا عبد القیوم حقانی

لوہاروں کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ارباب فضل وکمال

علامہ عبد الکریم سمعانی سے ملاقات

ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ کی تیسری تاریخ ہے۔ دار العلوم حقانیہ کے عید الاضحی کی تعطیلات کا اعلان کیا جا چکا ہے صبح سے تدریس اور اس سلسلہ میں متون و شروح کے مطالعہ نوٹس کی تیاری اور پھر کلاسوں کے لیکچرز کا اب چند روز کے لئے فکر نہیں رہا۔ علمی تفکر، اخلاقی اور روحانی بالیدگی کے لئے مشہور عالم فقیہ و امام اور صاحب دل بزرگ، قطب ربانی، عارف صمدانی علامہ عبد الوہاب شعرانیؒ کے افادات، اور فیوض وبرکات سے استفادہ کے لئے "لطائف المنن والاخلاق فی وجوب التحدث بنعمۃ اللہ علی الاطلاق" کا مطالعہ شروع کیا۔ حسن اتفاق سے فیض علم کا سب سے پہلا جھونکا جس نے ہمیں بے حد متاثر کر دیا اور طبیعت میں نشاط و بہار، علم سے محبت وجذبہ عمل، رزق حلال کی ضرورت و احساس کو ابھارا وہ علامہ شعرانی کا یہ ارشاد تھا کہ :۔

سیدی علی خواص فرمایا کرتے تھے کہ طلبہ علوم دینیہ کے لئے، اور علم دین سے تعلق رکھنے والے علماء اور طلباء کے لئے میں چاہتا ہوں کہ کوئی حرفت اور صنعت بھی ضرور سیکھیں جس سے ان کو معاش حاصل ہو تاکہ وہ دنیا کے بدلے دین کو فروخت نہ کریں۔ اور لوگوں کے خیرات وصدقات کھانے سے عقل کا نور مٹ جاتا ہے جب کہ رزق حلال سے نور عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے کہ

طلبہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو عمل سے فارغ رکھیں۔ اور یہ سمجھیں کہ پہلے علم حاصل کرلیں فارغ ہو کر عمل کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے جس کے ذریعہ شیطان ان کو زوائد علوم میں جن کی حاجت دین میں شاذونادر واقع ہوتی ہے مشغول رکھتا ہے اور عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

سید علی الخواص کے نصائح اور علماء و طلبہ علوم دینیہ کے لئے صنعت وحرفت کی ضرورت اور باقاعدہ کسی فن کے سیکھنے اور اپنے ہاتھ سے رزق حلال کے کمانے کی مبنی بر حقیقت پر خلوص نصیحت نے ہمیں پھر سے اپنے مہربان ومحسن علامہ عبد الکریم سمعانیؒ کی یاد تازہ کرادی ہے

سوارۂ بگذشتی و ماہنوز از شوق
نہادہ روئے بخاکِ سُمِ سمندِ توایم

جہاں کے فیوض و برکات سے مسلسل ہمارے قارئین بھی بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ عمل کی توفیق دے اگر اہلِ علم طبقہ، اپنے اسلاف کے ارشادات کو حرزِ جان بنا کر عمل کی ڈگر پر رواں ہوں تو جہالت کافور ہو جائے۔ رواجات اور بدعات کا دنیا سے نشان مٹ جائے۔ علماء کی اصلاح، علماء کا کردار اور اہلِ علم کے نیک اعمال، اتحادِ امت اور فلاحِ ملت کی ضمانت ہیں۔ غالباً حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

"میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں گی تو سب آدمی درست ہوں گے اور جب وہ فاسد ہوں گی تو سب آدمی فاسد ہو جائیں گے۔ ایک جماعت ملوک و امراء، دوسری جماعت علماء۔

غالباً جامع العلم میں علامہ ابنِ عبدالبر نے حضرت قتادہؓ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ

"علماء کی مثال ایسی ہے جیسے نمک، کہ جب کوئی چیز خراب ہونے لگے تو نمک اس کی اصلاح کر دیتا ہے لیکن اگر نمک خود ہی خراب ہو جائے تو اس کی اصلاح کسی چیز سے نہیں ہوتی۔"

علم و استفادہ اور مطالعہ اور کتب کی بے ضرر رفاقت نے دل و دماغ کو باغ و بہار بنا دیا۔ چشمِ تصور میں کئی ایک علمی حلقوں میں حاضری دی۔ نافع اور مخلص اکابر علماءِ امت کی تصوراتی زیارتیں ہوئیں۔ ملاقاتیں اور استفادہ ہوا۔ ازدیادِ ایمان اور یقین کی پختگی میں اضافہ ہوا۔ تاریخ کے اوراق الٹے حملۂ تاتار (۱۲۵۸ء) کی قیامتِ صغریٰ کا منظر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ ملتِ اسلامیہ پر کیسے قیامت گذری تھی اور اس سے کیا کیا نقصانات ہوئے۔ ایک ایک کر کے سامنے آتے گئے۔ طبیعت میں پژمردگی اور افسردگی کے آثار ثبت کرتے گئے۔ حملۂ تاتار سے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہو گیا۔ ان کی تہذیب و تمدن کا جنازہ نکل گیا۔ ان کے علماء قتل ہو گئے دارالکتب اور بڑی بڑی اسلامی لائبریریاں جلا دی گئیں۔ ذہنی جمود مسلط ہو گیا اور رفتہ رفتہ اسلام کا تصور بھی تبدیل کر دیا گیا۔ ابھی اسی خیال میں محو تھا کہ یکایک ورق الٹ گیا اور تاریخ کا ایک روشن باب سامنے تھا۔ یہ حملۂ تاتار کے ماقبل کا زمانہ تھا۔ فارابی۔ رازی۔ ابن رشد۔ الکندی۔ سینا۔ البیرونی۔ المسعودی۔ ابن الہیثم۔ ابن البیطار جیسے ہزار اربابِ علم و فضل، علماء و حکماء تخلیق و تحقیق میں مصروف تھے۔ ابن رضوان اور الجزری گھڑیاں اور مشینیں بنا رہے تھے۔ الخازنی کششِ ارض پر غور کر رہے تھے۔ شہاب الدین تفاشی لعل و زمرد کی اصلیت چمک اور افادیت پر لکھ رہا تھا۔ جابر بن حبان نے کیمیا پر ایک سو کتابیں لکھیں۔ ابن مسبحہ، اسحاق موصلی، زلزل، ابن اسحاق الوراق اور الکرمانی جیسے اربابِ علم و فن اپنے پسندیدہ فنون میں مگن اور ان کی تدوین میں مست تھے

ابو کامل، الکرجی، ابن فرحان، خوارزمی، ابو معشر بلخی، البتانی اور عمر خیام فن ریاضی کی توسیع اور تخلیق و تحقیق میں دنیائے انسانیت کی امامت کر رہے تھے۔ دیکھا فقہا ہیں۔ اطبا ہیں۔ مورخین۔ محدثین۔ متکلمین اور مفسرین ہیں اور ان کی تعداد کا احصار مشکل ہے۔ کسی نے دو سو کتابیں لکھیں۔ کوئی چار سو کتابوں کا مصنف تھا۔ ان میں سے ایک ابن طولون دمشقی نے ساڑھے سات سو کتابیں لکھی تھیں۔ علمی و مطالعاتی اور روحانی و تصوراتی بہاروں کی اس دنیا میں طبیعت نشاط پر تھی۔ مزاج میں اشتیاق تھا۔ ذوق طلب ہیں ابھار تھا کہ اچانک علامہ عبدالکریم سمعانی کا عظیم تاریخی لازوال شاہکار "الانساب" سامنے کھل گئی۔

حضرت سمعانی کی محنت، مطالعہ، تحقیق، تجسس، وسعت نظر، دور اندیشی جدت فکر کے نقوش ایک ایک کر کے اجاگر ہوتے گئے۔ کیسی کتاب لکھ گئے کتنا حسین نقش جمیل چھوڑ گئے۔ ایک ایک سطر سے موصوف کی قوت عملی، عزم، ارادہ، خوش انتظامی، سلیقہ پسندی۔ خوش فکری۔ ذوق مطالعہ۔ شوق تحقیق، معیار تصنیف غرض حسن و جمال اور فضل و کمال کا شاید ہی کوئی پہلو ہو جو کتاب کی ایک ایک سطر سے جھلک نہ پڑتا ہو۔

سمعانی، الانساب چھوڑ گئے کہ ایک کتب خانہ، الانساب کو دیکھ دیکھ کر حیرت بڑھتی اور یہ یقین بنتا ہے کہ عمل پیہم اور یقین محکم سے کس طرح اہم اور بڑے بڑے کام انجام دئے جا سکتے ہیں۔ بے سر و سامانی میں کیسے کیسے ساز و سامان پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ اور اب تو یقین پک گیا ہے والحمد للہ علی ذالک اور اس میں زیادہ تر دخل علامہ سمعانی کی الانساب ہی کا ہے کہ ناداری کے عالم میں بھی وہ کام انجام دئے جا سکتے ہیں جو بڑی دولت کے ذریعہ سے بھی نہیں کئے جا سکتے۔

کتاب الانساب کا ورق ۱۵۷ سامنے کھلا ہوا ہے۔ شہ سرخی حداد ہے۔ عربی کا لفظ ہے۔ عربی میں لوہار کو حداد کہتے ہیں۔ خود علامہ سمعانی بھی یہی لکھتے ہیں کہ

ھذا نسبتۃ الی بیع الحدید و شرائہ وعملہ	حداد کی نسبت لوہے کی خرید و فروخت اور لوہے کا کام کرنے کی طرف ہے۔

اس لقب سے بھی اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت مشہور ہوئی کہ وہ خود یا ان کے اکابر، اساتذہ یا آباؤ اجداد میں کوئی نہ کوئی لوہے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ چاقو چھری، درانتی اور تلوار بناتے۔ یا خام مال کی تجارت کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ علم کے ہتھوڑوں سے جہالت اور ظلمت و رواج اور باطل کا سر بھی کچلتے رہتے تھے۔ ان لوہاروں نے علم دین حاصل کر کے فولاد کو اپنی قوتوں اور سخت جانیوں سے موم بنایا ہے۔ تاریخ گواہ ہے اور علامہ سمعانی نے جو اہل علم لوہاروں کی طویل فہرست دی ہے اور ان کے سوانح و تذکرہ کے جو اجمالی اشارے دئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بھٹیاں صرف لوہے کے گرمانے اور نرم کرنے کے کام نہیں آتی تھیں۔ بلکہ ان

میں کام کرنے والے دین و دیانت، علم و فضل، محنت و مطالعہ، تصنیف و تالیف، تبلیغ و تدریس، خطابت و جہاد
اصلاح معاشرہ اور اصلاح انقلاب امت کے نرم گرم حالات کو بھی درست کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی قوت
ارادی کو بروئے کار لاکر علم و دین اور تعلیم و تدریس اور اشاعت و تبلیغ میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ
لوگوں کے دلوں پر فرماں روائی شروع کردی۔ اور دنیا کے سامنے یہ نمونہ پیش کر دیا کہ تاج و تخت کے بغیر بھی
اخلاص کی پاکیزگی، نیت کی طہارت اور عمل کی پختگی کے ساتھ فرماں روائی ہوسکتی ہے۔

امام سمعانی نے حسب سابق اب کے بار بھی کتابی ملاقات میں لوہاروں کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ارباب
علم و فضل کی ایک طویل فہرست سنائی۔ سرفہرست امام ابوبکر محمد بن جعفر کتانی حداد شافعیؒ کا تذکرہ فرمایا۔ موصوف
فقہ شافعیہ کے بہت بڑے جید عالم، امام اور فقیہہ تھے۔ مصر کے قاضی تھے فقہ شافعیہ کے فروعات تک پر انہیں
ماہرانہ عبور حاصل تھا۔ ۳۴۴ھ میں انتقال ہوا۔ موصوف حداد تھے۔ خدمت علم کے ساتھ ساتھ کسب معاش
کے لئے لوہاروں کا پیشہ اختیار کیا ہوا تھا۔ غیر کے احتیاج پر اپنے ہاتھوں کی کمائی کو ترجیح دیتے تھے۔ موصوف
نے اپنی روزمرہ کی زندگی میں، اور عام معمول اور معاشرتی بودوباش میں فقیری میں امیری، بے سروسامانی میں میر سامانی
اور تنگ دستی میں کشادہ دستی کی لازوال مثالیں قائم فرمائیں۔ ان کا کاروبار لوہاروں کا تھا۔ سادگی و تواضع اور
غربت و افلاس دونوں ان کے رفیق تھے۔ مگر اس سادگی میں بھی ان کی عزیمت کی پرکاری نظر آتی تھی۔ وہ اپنے
اساتذہ اور اسلاف کی طرح اپنی وضعداری کے لئے ہر جگہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے علمی و مطالعاتی
اور فقہی کمالات اور مآثر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی علمی مباحث اور استنباط و استخراج مسائل میں اپنے معاصروں
اور دوستوں سے اختلاف کیا کرتے مگر اس میں بھی ان کی مروت و شرافت اور حسن اخلاق کے موتی جھلملاتے رہتے۔

تلامذہ کو تنبیہ و انذار کرتے بعض اوقات ڈانٹتے بھی۔ تو ان کی ڈانٹ میں اخلاص ہوتا اور ان کے غصہ و پھٹکار
میں بھی کریم النفسی چھپی رہتی۔ حدادی کا کام کرکے رزق حلال کماتے تو اپنے ہاتھ کی کمائی سے خوش ذائقہ کھانا پکواتے
اور جیسے بہت ہی خوش سلیقگی کے ساتھ خود بھی کھاتے اور طلبہ کو بھی کھلاتے۔ تدریس ہوتی یا تقریر یا عام نجی مجالس
اپنے بذلہ سنجیوں کے پھولوں کو سامعین پر بے تکلفی سے نچھاور کرتے رہتے جس میں وہ علم دایان کے سنامہ کی نکہت
بیزی محسوس کرتے۔

اس کے بعد امام سمعانیؒ نے حسن یعقوب بن یوسف صوفی حداد کا تذکرہ فرمایا۔ موصوف نیشاپور کے رہنے
والے تھے۔ صوفی۔ زاہد۔ متقی۔ پرہیزگار اور علم دوست انسان تھے۔ سلوک و طریقت کے طلبہ کی اصلاح و تربیت کے
لئے مستقل خانقاہ قائم فرمائی تھی۔ طالبان سلوک اور مخلصین طریقت کے ہر وقت ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے رہتے تھے اور ان
کے وسیع دسترخوان پر ہمیشہ زاہدوں اور صوفیوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ خدمت دین اور اصلاح و تربیت میں ہمہ وقتی

مشغولیت کے باوجود سرمایہ داروں۔ نوابوں۔ جاگیر داروں اور دنیا داروں کی طرف کبھی بھی للچائی نظر سے نہیں دیکھا۔ استغنا اور بے نیازی ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اور متاع عزیز تھی۔ حدادی کا کام کیا اور اس میں ایسے نئے نئے طریقے اور وسعتیں پیدا کیں کہ طالبانِ طریقت اور عاشقانہ علوم نبوت کے لئے ان کا دسترخوان ہمیشہ کھلا اور معمور رہتا تھا۔ تدین اور علم و تقویٰ کی ایسی مثالیں تاریخ میں کم ملتی ہیں۔ رجب ۳۳۶ھ میں وفات پائی۔

ابھی حسن حداد کا تذکرہ جاری تھا ان کے کارہائے نمایاں اور کرامات و مقامات کی بات ہو رہی تھی کہ نظر ابو حفص حداد پر پڑ گئی۔ علامہ سمعانیؒ نے ان کا بھی بڑی فراخ دلی، کشادہ روئی سے تعارف کرایا۔ ابو حفص حداد بھی نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ وہاں کے اکابر اور مشاہیر صوفیائے کرام سے ہیں۔ علم و تقویٰ میں مرجع خاص و عام تھے۔ طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ طالبانِ طریقت اپنے باطن کی صفائی یہاں سے پاتے تھے۔

خراسان کے بعد والے چند اکابر اور جبال علم میں ان کا نام سرفہرست تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے۔ ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ۲۵۴ھ یا ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ اور تدفین نیشا[illegible]ر ہوئی۔

حدادوں کا تذکرہ تھا۔ علماء اور فضلاء جو حدادی کی نسبت سے مشہور تھے۔ علامہ سمعانی ایک ایک کر کے متعارف کر رہے تھے نہ ان کو سیری ہوتی تھی اور نہ ہم طلبہ کی تشنگی بجھتی تھی ؎

عشق آمد و شد ساری چوں بو بگلاب اندر

او در من و من در وے سر ایست ز اسرارم

اس لئے چوتھے نمبر پہ علامہ ابو المقدام ثابت حداد کا تذکرہ چھڑ گیا۔ حضرت سمعانیؒ نے بتایا کہ موصوف جید عالم، فاضل اور تبع تابعین سے تھے۔ انکے اساتذہ میں سعید بن مسیبؒ، زید بن وہبؒ اور سعید بن جبیرؒ جیسے جبال علم کا نام آتا تھا۔ ابو المقدامؒ نے بڑے ادب و احترام، پوری طلب اور تڑپ اور اخلاص اور دلسوزی کے ساتھ تحصیل علم کی تکمیل کی۔ جن علماء تابعین سے حدیث پڑھی۔ زندگی بھر ان کے احترام و اکرام کو ہر چیز پر ترجیح دی۔ ان کی ذات و شخصیت تو اپنی جگہ، جب اساتذہ کا ذکر کرتے یا ان کا نام آتا تو ایسا معلوم ہوتا گویا ابو المقدام ان کے نام کی عظمتوں پر نچھاور ہو رہے ہیں۔

اسی ادب و احترام اور کمال محبت و اطاعت کی برکتیں تھیں کہ ابو المقدام کی درسگاہ علم و فیض کو چہار دانگ عالم میں شہرت حاصل ہوئی۔ آپؒ مرجع الخلائق بننا پڑا۔ آپ سے خدا نے علم حدیث کی تدریس و اشاعت کا کام لیا۔ عمرو بن ثابت آپ کے بیٹے ہیں۔ آپ کے شاگرد بھی۔ اور آپ کے جانشین بھی۔ حضرت حکمؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ جیسے اکابر اور ارباب علم و فضلؒ آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے پر فخر محسوس کیا اور آپ کی درسگاہ سے فیض علم حاصل کرتے رہے۔

ابوبکر احمد سندیؒ حداد کا نام آیا تو علامہ سمعانیؒ کا قلم جھومنے لگا۔ ہمیں بھی مسرت تھی اور خوشیوں کی انتہا نہ رہی جب یہ معلوم ہوا کہ ابوبکر احمد حداد ہمارے پاکستان کے علاقہ سندھ کے رہنے والے تھے۔ تحصیل و تکمیل علم سے فارغ ہوئے تو بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بہت بڑے محدث، صاحب طریقت اور باخدا بزرگ تھے۔ ظاہر و باطن میں یک رنگی تھی۔ فریابیؒ اور محمد بن عباسؒ مجذوب سے علم حدیث کی تکمیل کی۔ پھر بعد میں ساری زندگی خدمت حدیث کے لئے وقف کر دی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو بھی آپ کو نسبت علم پر فخر تھا۔

بہر حال مجھے تو ایک ایک نام کے ساتھ وجد آ رہا۔ حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی کہ ہمارے اسلاف نے حفاظت علم دین میں کس قدر تعب، محنت، مشقت برداشت کی۔ شبانہ روز مزدوری اور حدادی سے رزق حلال بقدر قوت لایموت کمایا پھر اسے خود بھی کھایا اور دوسروں کو بھی کشادہ جبینی سے کھلایا۔

دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ طالب علمی میں ابتدائے روز سے مخلص تھے۔ انہوں نے حصول سند تحصیل منصب یا قضاء و افتاء کے لئے یا بڑا بننے اور لوگوں کو اپنی بڑائی منوانے کے لئے طالب علمی کی راہ نہیں اختیار کی تھی۔ بلکہ وہ اول روز سے اپنے خالق کی رضا چاہتے تھے۔ اور دم واپسیں تک اس مقصد کے حصول میں مگن رہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ بغیر علم دین و تعلیم شارع کے اخلاص کے ساتھ تحصیل کے ایسے راستے کا معلوم کر لینا کہ جس سے اپنے خالق کی رضا حاصل کی جائے۔ یا وطن اصلی اور مقصد تخلیق آدم تک پہنچا جائے ناممکن ہے بغیر علم کے انسان مردہ ہے اور بغیر عمل کے علم اتمام حجت ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

وفی الجهل قبل الموت موت لاهله … فاجسامهم قبل القبور قبور

وان امرأ لم یحیی بالعلم میّت … ولیس له حتی النشور نشور

جہالت میں موت سے پہلے بھی موت ہے اور جہلا کے اجسام قبروں سے قبل قبریں ہیں۔ اگر کوئی انسان علم سے زندہ نہ ہو تو وہ مردہ ہے اور قیامت کے اٹھنے تک اس کے لئے کوئی زندگی نہیں۔

بقیہ ص ۲۵

removing the change of religion as a ground of matrimonial reliefs and putting restriction on the spouse who changes religion to contract another marriage so long as his first marriage subsists.. 36

اعلان

صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا ضمنی امتحان بروز منگل ۲۴ محرم ۱۴۰۹ھ بمطابق ۶ ستمبر ۱۹۸۸ء صبح ۷ بجے سے ۱۰ بجے تک منعقد ہوگا۔ اور ثانویہ عامہ، خاصہ اور عالیہ کے ضمنی امتحانات ۶ ستمبر سے ۸ ستمبر تک درج ذیل برنامج کے مطابق منعقد ہوں گے۔ ضمنی امتحان کے لئے ملک بھر میں پانچ سنٹر مقرر کئے گئے ہیں۔ ۱۔ دارالعلوم فیصل آباد ۲۔ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی۔ ۳۔ دارالقرآن نمک منڈی پشاور۔ ۴۔ جامعہ حلیمیہ درہ پیزو ضلع بنوں۔ ۵۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی ۵۔

ضمنی امتحانات کے لئے داخلے شروع ہیں۔ حسب سابق ہر درجہ کے لئے داخلہ بادائیگی فیس مطبوعہ فارم کے ذریعہ ہوگا۔ ہر امیدوار قیام و طعام کا خود ذمہ دار ہوگا۔ رول نمبر بھیجنے کے لئے فارم کے ساتھ پتہ لکھا ہوا جوابی رجسٹری لفافہ آنا ضروری ہے۔ داخلے کی آخری تاریخ ۲۵ راگست ۱۹۸۸ء ہے۔

برنامج ضمنی امتحانات محرم ۱۴۰۹ھ

یوم	تاریخ محرم ۱۴۰۹ھ	تاریخ ستمبر ۱۹۸۸ء	پرچہ	وقت	از	تا	عالیہ: مضامین	عالیہ: شامل کتب	ثانویہ خاصہ: مضامین	ثانویہ خاصہ: شامل کتب	ثانویہ عامہ: مضامین	ثانویہ عامہ: شامل کتب
منگل	۲۴ محرم	۶ ستمبر	پہلا	صبح	۷ بجے	۱۰ بجے	تفسیر	جلالین شریف کامل	تفسیر و حدیث	از سورہ یونس تا سورہ عنکبوت ریاض الصالحین	تفسیر و تجوید	پارہ عم و فوائد مکیہ
	۲۴ محرم	۶ ستمبر	دوسرا	بعد ظہر	۲ بجکر ۱۵ منٹ	۴ بجکر ۴۵ منٹ	حدیث	کتاب الآثار امام محمد	فقہ	شرح وقایہ اولین	حدیث و لغت عربیہ انشاء	زاد الطالبین قراۃ الراشدہ (حصہ ۲) معلم الانشاء ج ۱
بدھ	۲۵ محرم	۷ ستمبر	تیسرا	صبح	۷ بجے	۱۰ بجے	فقہ	ہدایہ جلد ثانی	اصول فقہ	نور الانوار از ابتدا تا قیاس	فقہ	قدوری کامل
	۲۵ محرم	۷ ستمبر	چوتھا	بعد ظہر	۲ بجکر ۱۵ منٹ	۴ بجکر ۴۵ منٹ	اصول فقہ	توضیح تا مقدمات اربعہ و تلویح تا بحث خاص	نحو	شرح جامی از ابتدا تا مبنیات	صرف	علم الصیغہ و خصوصیات ابواب از فصول اکبری یا علم الصرف حصہ چہارم
جمعرات	۲۶ محرم	۸ ستمبر	پانچواں	صبح	۷ بجے	۱۰ بجے	فلسفہ عقائد	میبذی (طبعیات) شرح عقائد کامل	منطق	قطبی از ابتدا تا عکس نقیض	نحو	ہدایۃ النحو
	۲۶ محرم	۸ ستمبر	چھٹا	بعد ظہر	۲ بجکر ۱۵ منٹ	۴ بجکر ۴۵ منٹ	لغت عربیہ و عروض	دیوان حماسہ باب الحماسہ محیط الدائرہ یا الکافی	ادب	مقامات (دس مقالے) معلم الانشاء ج ۳	منطق	تیسیر المنطق ایساغوجی مرقات

نوٹ: صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا ضمنی امتحان بروز منگل ۲۴ محرم ۱۴۰۹ھ بمطابق ۶ ستمبر ۱۹۸۸ء صبح ۷ بجے سے ۱۰ بجے تک منعقد ہوگا۔

محمد انور شاہ

ناظم امتحانات۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔ جامعہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان۔ فون ۴۲۲۱۶
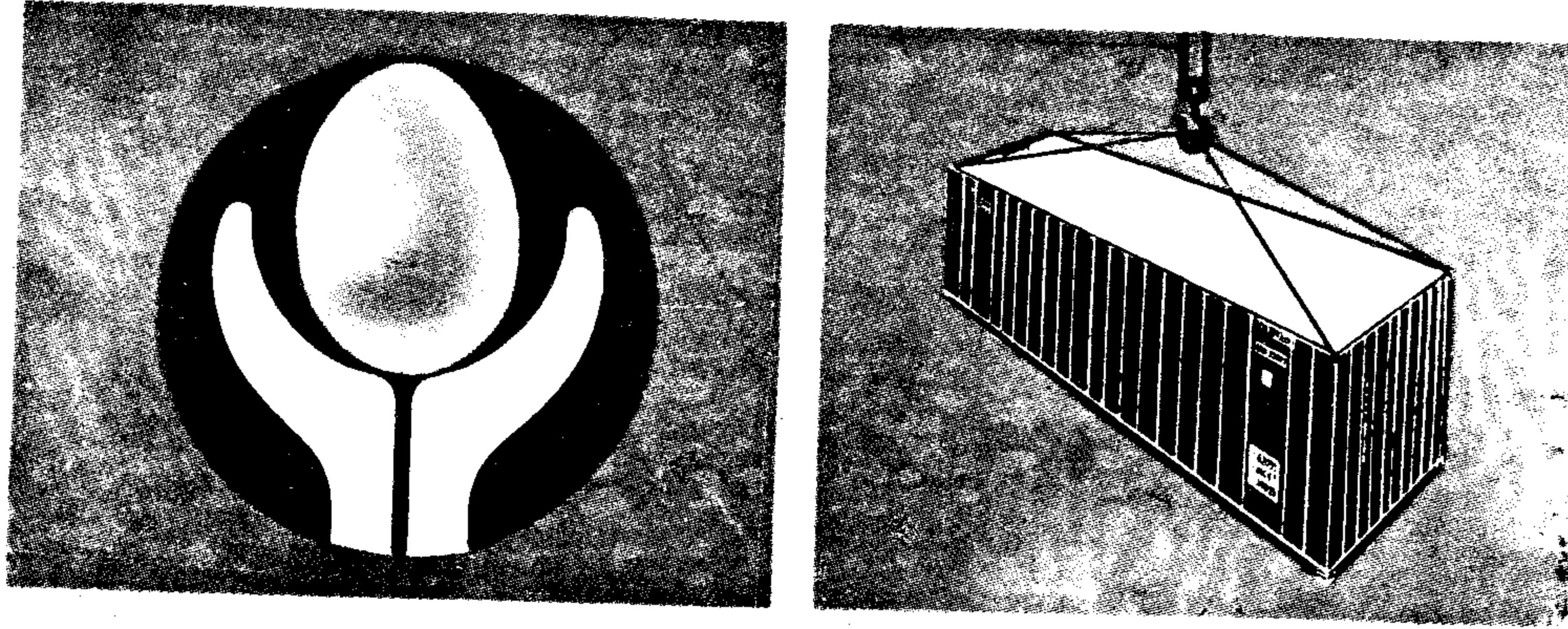
حضرت العلامہ قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ ۔ اٹک

صحابہ کرامؓ اور مزاج شناسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کو ہی ایمان سمجھا تھا۔ لیکن اس سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کے قلب و نظر میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی ہی معیار ایمان تھی سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور، آپ کے طرزِ تکلم۔ آپ کی توجہ گرامی سے وہ اندازہ لگا لیا کرتے تھے کہ محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاجِ عالی کس طرف راغب ہے۔ ذیل میں چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ | سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ رونق افروز تھے کہ اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ توراۃ کے کچھ اوراق لے آئے۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اوراق دکھاتے ہوئے ان کو پڑھنا شروع کیا۔ ادھر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی رنگت میں تبدیلی آنے لگی، تو مزاج شناس سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"اے عمر! تجھے تیرے خاندان والی عورتیں روئیں۔ کیا تو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو نہیں دیکھ رہا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چہرۂ انور پر نظر ڈالتے ہی کہا:۔

اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ رضینا باللہ ربًّا و بالاسلام دینا وبمحمدٍ نبیًّا

میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے رسول کے غضب سے۔ ہم راضی ہیں اللہ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور محمد کو نبی مان کر (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ سن کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"قسم ہے اس ذاتِ عالی کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر آج تمہارے سامنے (صاحب تورات) موسیٰ (علیہ السلام) خود بھی آجائے اور تم اسے (صاحب کتاب نبی سمجھ کر) اس کی پیروی کر لو اور مجھے چھوڑ دو تو تم یقیناً سیدھے راہ (ہدایت) سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر وہ (آج) بھی زندہ ہوتے اور میری نبوت کا علم ہو

جاتا تو وہ بھی میری پیروی کرتے۔" (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چہرۂ اقدس پہ ناراضگی کے اثرات دیکھتے ہی اس عمل سے بیزاری کا اعلان فرمایا۔

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کے اثرات چہرۂ انور پر یوں ظاہر ہو جایا کرتے تھے کہ کسی نے آپ کے رخسار مبارک میں انار کا پھل نچوڑ دیا ہو۔ یعنی چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا تھا۔ مگر صحابہ کرام نے اس سرخی کو انار کے پانی سے تشبیہ دے کر یہ سمجھایا کہ اس ناراضگی میں بھی رحمت ہوتی تھی۔ اس لئے کہ انار کے پانی کا رنگ تو سرخ ہے۔ مگر تاثیر ٹھنڈی ہے۔

۲۔ ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ | انصار مدینہ میں سے ایک صحابی ابومسعود رضی اللہ عنہ اپنے ایک غلام کو کسی وجہ سے مار رہے تھے کہ ان کے پیچھے سے ایک آواز آئی۔

"اے ابومسعود۔ اس اللہ تعالیٰ سے ڈر جس کا حق تجھ پر اس حق سے زیادہ ہے جو تیرا اس غلام پر ہے"۔

ابومسعود رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ آواز رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، فوراً یہ عرض کیا۔

"اے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس غلام کو میں نے ابھی آزاد کر دیا"

یہ سنکر حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اگر تو میری تنبیہ سن کر بھی اسے آزاد نہ کرتا تو آگ تجھے جھلس ڈالتی"۔ (مشکوٰۃ)

۳۔ حضرت جابر بن سلیم رضی تعالیٰ عنہ | اسلام قبول کرنے کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا

لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا کسی کو گالی ہرگز نہ دینا۔

چنانچہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان یا انسان کو گالی دینا تو درکنار میں نے اس ارشاد کے بعد کسی آزاد، کسی غلام، نہ کسی اونٹ اور نہ کسی بکری کو گالی دی۔ (مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ)

۴۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر ارشاد فرمایا

"کہ میں تجھ پر یہ لازم کرتا ہوں کہ کسی سے بھی کوئی چیز نہ مانگنا خواہ تیری چابک گر جائے تب بھی سواری سے نیچے اتر کر وہ چابک خود اٹھا لینی چاہیئے"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اگر اونٹ پر سوار ہوتے اور چابک گر جاتی تو اونٹ کو بٹھا کر نیچے اترتے اور خود اپنے ہاتھ سے چابک اٹھاتے۔

(مشکوٰۃ شریف)

۵۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان مرد کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اس کو اتار پھینکتے ہوئے فرمایا کیا تم سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ آگ کی چنگاری اپنی مٹھی میں لے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس مسلمان سے کہا کہ انگوٹھی اٹھا لے اور انگلی میں تو نہ پہن کہ (مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے) مگر اسے بیچ کر اپنے کسی دوسرے کام میں لگالے۔ تو اس نے کہا:۔

ترجمہ "اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس انگوٹھی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکا ہے میں اس کو کبھی بھی نہ اٹھاؤں گا" (مشکوٰۃ۔ باب الخاتم)

۶۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو مسلمان ایک زمین کا جھگڑا لے کر آئے جب مدعی شہادت پیش نہ کر سکا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعیٰ علیہ سے قسم اٹھانے کا فرمایا جس کے لئے وہ تیار ہوگیا۔ مگر جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کا مال جھوٹی قسم اٹھا کر حاصل کر لیتا ہے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح پیش ہوگا کہ اس کے اعضا کٹے ہوئے ہوں گے"

یہ ارشاد سنتے ہی اس ناجائز قابض نے کہا۔ یہ زمین میری نہیں بلکہ اس دوسرے مسلمان کی ہے۔

(مشکوٰۃ باب الاقضیہ والشہادت)

۷۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا مکان پختہ دیکھ کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ صحابہ نے نام لے کر بتایا کہ فلاں صحابی کا ہے۔ اس سے زیادہ کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ مگر وہ صحابی جب مجلس میں حاضر ہوتے تو پہلے کی طرح شفقت اور محبت نہ پاتے۔ اپنے ساتھیوں سے پوچھنے پہ مکان کی بات معلوم ہوئی۔ تو جا کر مکان کی بنیاد تک اکھیڑ ڈالی۔ اور حاضر خدمت ہو کر اس امر کی اطلاع بھی کر دی۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے محبوب تھے۔ بعض غیر مسلم بھی اس امر کا خیال رکھتے تھے کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک کوفت محسوس نہ کرے۔ جیسا کہ ضمام بن ثعلبہ جب تحقیق کے لئے حاضر خدمت ہوا تو اس نے بات چیت شروع کرنے سے پہلے یہ عرض کیا (پوری روایت درج کی جاتی ہے)

یقول انس بن مالک بینما نحن جلوس مع النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی المسجد	انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت جب ہم کئی صحابہ مسجد نبوی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک
دخل رجل علی جمل فاناخہ فی المسجد ثم عقلہ ثم قال	مرد اونٹ پر سوار آیا اسے مسجد میں بٹھا کر پوچھنے لگا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ سید

ھم ایکم محمد (صلی اللّٰہ علیہ و
سلم) والنبیّ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم)
متکی بین ظہرانیھم۔
فقلنا ھٰذا الرجل الابیض
المتکیٔ
فقال لہ الرجل
ابن عبد المطلب فقال لہ
النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
قد اجبتک فقال الرجل للنبیّ
صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی اسئلک
فمشدد علیک فی المسئلۃ فلا
تجد عَلَیّ فی نفسک فقال سل عما
بدالک فقال انّی اسئلک بربک
ورب من قبلک آ اللّٰہ ارسلک
الی النّاس کلھم فقال اللّٰھم نعم
قال انشدک باللّٰہ آ اللّٰہ امرک
ان یصلّی الصلوٰت الخمس فی
الیوم واللیلۃ قال اللّٰھم نعم
ثم قال انشدک باللّٰہ آ اللّٰہ
امرک ان تصوم ھذا الشھر
من السّنۃ
قال اللّٰھم نعم
قال انشدک باللّٰہ آ اللّٰہ امرک
ان تاخذ ھٰذہ الصدقۃ من اغنیاء
فتقسھا علیٰ فقرائنا

دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہمارے سامنے
تکیہ لگاکر تشریف فرما تھے۔ ہم نے اس کو کہا
یہ سفید رنگ والا جو تکیہ لگائے بیٹھا ہے دیہ
ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس نے کہا اے
عبدالمطلب کے بیٹے (حضور انور صلی اللہ علیہ
وسلم کے دادا کا نام لیا) حضور انور صلی اللہ علیہ و
سلم نے فرمایا۔ میں نے تیرا پکارنا سن لیا۔ تو
اس نے کہا۔ میں آپ سے کچھ پوچھوں گا اور اس
کلام میں سختی ہوگی۔ پس آپ مجھ پر اپنے دل
میں ناراض نہ ہوں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ جو چاہتا ہے پوچھ لے۔ اس نے کہا
میں آپ کو آپ کے ربّ اور سب انبیاء علیہم
کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ کو
اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے لئے رسول بنا
کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا بخدا میں سب کے
رسول ہوں۔ پھر اس نے کہا۔ میں آپ کو اللہ
تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا آپ کو
اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ دن رات میں پانچ
نمازیں ادا کی جائیں؟ آپ نے فرمایا بخدا یہ درست
ہے۔ پھر اس نے کہا۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم
دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے سال
بھر میں ایک ماہ کے روزے رکھنے کا حکم دیا
ہے؟ آپ نے فرمایا بخدا یہ درست ہے۔ پھر
اس نے کہا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر
پوچھتا ہوں کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے

فقال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم نعم فقال الرجل امنت بما جئت بہ و انا رسول من ورائی من قومی و انا ضمام بن ثعلبہ اخو بنی سعد بن بکر۔ (بخاری باب القراۃ علی المحدث)

کہ مالداروں سے زکوٰۃ لے کر ہمارے فقیروں پر تقسیم فرمائیں۔؟ آپؐ نے بخدا یہ فرمایا ہے۔ تو اس مرد نے کہا میں اس سب ہدایت پر ایمان لایا جو آپ لے کر آئے ہیں اور میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے میری قوم بنی سعد بن بکر نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

چنانچہ ضمام خود بھی مشرف بہ اسلام ہوا اور اپنی ساری قوم کو مسلمان بنایا۔ (رضی اللہ عنہم)

حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے بھی اس امر کو بھانپ لیا تھا کہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت دو عالم ہیں۔ ہو سکتا ہے بظاہر میرے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ مگر میری تلخ باتوں سے شاید دل میں ناراض ہوں تو ان کے دل کی ناراضگی بھی رحمت کا نہیں غضب کا باعث ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس اگر کسی نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو ایک عام بات سمجھ کر ٹال دیا تو وہ اسی وقت عذاب کا شکار ہو گیا۔ جیسا کہ:۔

ایک مسلمان بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا جسے دیکھ کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دائیں ہاتھ سے کھانا کھا۔ اس نے عرض کیا کہ میرا دایاں ہاتھ اوپر نہیں اٹھ سکتا۔ (میں معذور ہوں) سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ کو کبھی اوپر نہ اٹھائے"۔

چنانچہ وہ اسی وقت شل ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے بچائے آمین۔

تنبیہ۔ اس دور بے لگامی میں اکثر فاسق کہہ دیتے ہیں کہ آج کل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل مشکل ہے۔ اس لئے کہ غالب اکثریت ان مسلمانوں کی ہے جو زبانی طور پر تو بہت کچھ کہہ دیتے ہیں مگر عملی طور پر بہت پیچھے ہیں۔ حالاں کہ یہ کوئی دلیل نہیں۔ اگر خدانخواستہ کسی بستی میں آگ لگ جائے اور ایک آدمی کا گھر بچ رہا ہو تو کیا وہ بھی اپنے گھر اور سامان کو آگ کی نذر کر دے گا! کہ جب سب جل رہے ہیں تو اسے بھی جلنا چاہئے۔ بلکہ ایسے وقت اور ایسے ماحول میں تو بہت زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

من تمسّک بسنتی عند فساد

جس نے میری امت کی بربادی کے وقت

امتی فلہٗ اجرماۃِ شہید ٥ — میری ایک سنت پر بھی عمل کیا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔
(مشکوٰۃ)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل کا مندرجہ ذیل واقعہ نقل فرمایا ہے۔
"وہ ایک دن چند احباب کے ہمراہ ایک تالاب پر غسل کرنے کے لئے گئے۔ باقی احباب نے کپڑے اتارے اور پانی میں غسل کے لئے داخل ہو گئے۔ مگر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے تہبند باندھا اور پھر غسل کے لئے تالاب میں اترے۔

اسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا ان کو اس امر کی بشارت دے رہا ہے کہ سنت سید الانبیاءؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے سارے گناہ معاف کر دئے ہیں۔ اور آپ کو اپنے زمانہ کا پیشوا اور مقتدار بنا دیا۔ امام صاحب نے اس کہنے پر پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو انہوں نے کہا میں جبریل ہوں۔"
(الشفار جلد ۲ صـ ۱۲)

بقیہ صـ ۳۲

خاص قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی سیکرٹری اطلاعات جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

۲۔ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری سیکرٹری جنرل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

اگرچہ آپ کی دعوت مباہلہ کے مخاطبین میں ہمارا شمار بھی ہوتا ہے مگر اسے قبول کرنے میں علیحدہ حیثیت اختیار کرنے کی بجائے جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی رہنما مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری پر مکمل اعتماد کے اظہار کے ساتھ آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ ان دونوں ذمہ دار مذہبی راہ نماؤں یا ان میں سے کسی ایک کی جوابی دعوت کو آپ قبول کرنے کا اعلان کریں۔ آپ ان میں سے جس بزرگ کے ساتھ مباہلہ کے لئے آمادگی کا اظہار کریں گے ہمیں ان کی رفاقت کے لئے موجود پائیں گے۔

آگے بڑھیے اور مباہلہ کے میدان میں آئیے تاکہ دنیا کے لوگ ایک بار پھر حق کی فتح اور باطل کی عبرتناک شکست کا نظارہ کر سکیں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

حکیم محمد سعید چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن

مذاکرۂ عالمی

مرتبہ و فلسفۂ وقفِ اسلامی

ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام اوقافِ اسلامی کے مقام و مرتبہ اور فلسفہ پر مذاکرۂ عالمی منعقد ہوا، مختلف اجلاسوں میں پیش کیے گئے نکات کو اعلانِ کراچی کے تحت مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے ——— (ادارہ)

(۱) سپریم کورٹ آف پاکستان نے دینِ اسلام پر ایک نہایت اہم اور وقیع ادارہ وقفِ اسلامی کے باب میں سالہا سال کی محنت و مطالعہ کے بعد ایک تاریخ ساز فیصلہ صادر کیا۔ یہ فیصلہ ہر اعتبار سے تاریخ ساز اور رہنما فیصلہ تھا۔ یہ فیصلہ وقفِ اسلامی کے باب میں آئین و شرعِ اسلامی کا آئینہ دار اور عکاس ہے اور ایک ریاستِ اسلامی میں اس کا احترام و اقرار ایک احترام شرعِ متین ہے۔

گذشتہ دنوں مرتبہ و فلسفۂ وقفِ اسلامی کی ایک عالمی کانفرنس نے وقفِ اسلامی پر ہمہ جہت غور و فکر کیا ہے اور دنیا میں اس موضوع پر یقیناً سب سے پہلے عالمی اجتماع میں ماہرین نے جو قولِ فیصل دیا ہے وہ "اعلانِ کراچی" کے نام سے موسوم ہوا اور آپ کے ملاحظہ کے لیے منسلک ہے۔

(۲) یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ ریاستِ اسلامی پاکستان میں وقفِ اسلامی تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے، اور یہ ریاستِ اسلامی پاکستان میں ایک دلدوز سانحہ پیش آیا ہے کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایک قطعی فیصلۂ شرعی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے بلکہ اس کو پامال کر کے قوانین میں متعدد بار غیر شرعی تبدیلیاں کر کے سپریم کورٹ کے فیصلۂ شرعی کو کالعدم قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ پاکستان میں منعقدہ مذاکرۂ عالمی، مرتبہ و فلسفۂ وقفِ اسلامی میں شریک تمام ماہرین اوقافِ اسلامی نے وقفِ شرعی کی کاملاً تائید کر دی ہے۔

(۳) پاکستان میں ہمدرد سب سے پہلا تجارتی اور صنعتی وقف ہے کہ جو بہ تمام و کمال روحِ اسلامی کی سرشاری کے ساتھ بہ ہدایتِ شرعِ متین خدمتِ دین و وطن میں مصروف ہے۔ پاکستان کے اس عظیم فلاحی وقفِ اسلامی کے ساتھ سالہائے ماسبق میں جو صریحی ظلم ہوتا رہا ہے اس کا نوٹس سپریم کورٹ نے لیا اور وقف ہمدرد کو شرعی

قرار دیا جس کو قوانین غیر شرعی نے کالعدم کرنے کا گناہ کیا ہے اور اب پھر ہمدرد وقف کو کالعدم کر دینے کی سازشیں ہو رہی ہیں اور اس وقف کو پامال کر دینے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں اور ٹیکس پر ٹیکس عائد کیے جا رہے ہیں۔

(۴) ہمدرد وقف کے ذریعہ سے حکومت کو ممکنہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک "روح افزا" کو لیجئے، اس وقت "روح افزا" کی ایک بوتل پر ڈائریکٹ اور ان ڈائریکٹ ٹیکس آٹھ روپے فی بوتل ہے۔ ہمدرد وقف نے ایک فقط روح افزا پر سال گذشتہ تقریباً چھ کروڑ روپے ٹیکس خزانہ پاکستان میں جمع کرایا ہے اور سالِ رواں میں یہ فقط ایک روح افزا کا آٹھ کروڑ روپے ٹیکس جمع ہو رہا ہے۔

(۵) مگر وزارتِ خزانہ حکومت اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اس پر قناعت حاصل نہیں ہے اور اس نے اسلام و شرع کو بالائے طاق رکھ کر ٹیکس عائد کر دیا ہے، اب پھر معاملہ عدالت ہائے عالیہ کو گیا ہے۔

(۶) منشاء یہ لگتا ہے کہ مدینتہ الحکمتہ کی تعمیر میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جائیں، پاکستان میں یہ کارِ خیر کیوں ہو رہا ہے؟

(۷) میں پاکستان میں منعقدہ مذاکرۂ عالمی، مرتبہ و فلسفۂ وقفِ اسلامی کے فیصلے پر مشتمل کراچی ڈیکلریشن" کی ایک نقل اپنی اس تحریر کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھجوا رہا ہوں۔

اعلانِ کراچی

وقف کا ادارہ اپنی افادی وسعت، اپنی معاشی و معاشرتی اہمیت اور خیر کے میدانوں میں اپنی ہمہ گیری کے اعتبار سے انتہائی جامع حیثیت رکھتا ہے اور لافانی حسن عمل کا جلی عنوان ہے۔

اسلامی ثقافت کے متعدد مظاہر اور سایۂ شریعت میں علوم و فنون کے ارتقاء کی لازوال تاریخ رفاہِ عامہ اور اس کے تمام فعال اداروں کی تنظیم، وقف ہی جیسے لازوال انسانی اور لافانی حسنِ عمل کے اخلاق کی رہینِ منت ہے۔

ایمان کا بنیادی تقاضا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کی جستجو ہے جو انسان کو عمل صالح اور کارِ خیر کی انجام دہی کے لیے ہمہ دم بے قرار اور ہمہ جہت مضطرب رکھتی ہے۔ نیکی ہی انسان کو تقربِ الٰہی کی دولت عطا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کے تقرب کی راہ متعین راہ نفع رسانی خلق ہے۔

ہماری تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ تمدن و ثقافت کے بام بلند کا شاید ہی کوئی زینہ ایسا ہو جس کی تعمیر میں اسلام کا فلاحی اور رفاہی تصور جسے وقف کا نام دیا گیا ہے، کارفرما نہ رہا ہو۔ وقف کے تمدن آفرین خصوصیات کے محرک کی جستجو قطعی بامعنی ہے، خاص طور پر اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد کہ وقف کی افادیت کا دائرہ افراد و اقوام ہی نہیں بلکہ پوری دنیا سے انسانیت کو محیط ہے، رفاہِ عامہ

کے کاموں کے لیے ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد کے طور پر جب "وقف" کا قیام ممکن ہو گیا تو پورا اسلامی معاشرہ انسانی فلاح و ترقی اور تعمیر کی راہوں پر گامزن ہوا اور مختصر ترین عرصے میں مساجد، مدارس، شفاخانے، مسافر خانے، بے روزگاروں اور ضرورت مندوں کے لیے زرعی زمینوں کی سیرابی کے لیے کنوؤں کی کھدائی اور تعمیر، معذوروں، بیواؤں اور لاوارث بچوں کے لیے پرداخت و پرورش کے ادارے، تعلیمی ادارے، حیوانوں کے علاج معالجہ کے ادارے، راستوں کی تعمیر و مرمت، پلوں اور گذرگاہوں کی تعمیر کے ادارے، آلاتِ حرب و ضرب اور دفاعی سامان تیار کرنے کی صنعتیں، قبرستان، خانقاہیں، ماؤں کو دودھ فراہم کرنے کے ادارے، عوامی بہبود کے ادارے اس کثرت سے وجود میں آنے لگے کہ رفاہِ عامہ کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا۔ غرض کہ اوقاف کے ذریعہ سے سارا مسلم معاشرہ کفالت اور فلاحِ عامہ کے اسلامی تصور کی عملی تفسیر بن گیا۔

اسلامی ریاست میں عمومی کفالت اور عمومی فلاح کے کاموں کی ذمہ داری تو حکومت کی ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام، عمومی کفالت اور رفاہِ عامہ کے لیے کیے جانے والے کاموں کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ حکومت اپنی ذمہ داریاں اجتماعی فرائض کے طور پر ادا کرتی ہے جبکہ افراد صلاح و فلاح اور اجتماعی تمدنی ارتقاء کے لیے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اسلامی شریعت کے مطابق افراد کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ ان کے کسی عملِ خیر پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے افراد کو جو حقوق دیئے ہیں ان میں ان کو حریتِ فکر و عمل کی آزادی بھی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی سیرت و عاقبت سنوارنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس حق کو ہیئتِ حاکمہ کبھی سلب نہیں کر سکتی۔

ہیئتِ حاکمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انفرادی کوششوں سے قائم ہونے والے اوقاف کا تحفظ بھی کرے اور ان کے ساتھ مکمل تعاون بھی کرے۔

اوقاف کے قیام کا مقصد ایسے نظامِ مدنیت کا قیام ہے جس کی برکتوں سے ایسی تنظیم وجود پذیر ہو جو انسانوں کو سعادت اور برکت سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور کر سکے۔

اسلامی وقف وسیع تر مفادات کا حامل ادارہ ہے، اوقاف کا مقصد ایسے نظامِ کفالت کا قیام ہے جو فلاحی و رفاہی کوششوں کے ساتھ تہذیب و تمدن کو اعلیٰ درجے کی ہمہ گیر خصوصیات کا حامل بناتا ہے۔

وقفِ اسلامی کا اسلامی تصور دیگر اقوام کے تصورِ اوقاف کے مقابلے میں اپنی انفرادی مضمرات کی بناء پر اس لیے مختلف ہے کہ یہ صرف عبادت گاہوں کی تعمیر، مدارس کے قیام، یتیموں اور معذوروں کی کفالت تک محدود نہیں بلکہ انسانیت کی تعمیر اور اس کی صلاح و فلاح کے نظام کی توسیع کرتا ہے۔ یہ فلاحی نظام رفاہِ عامہ کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتا ہے خواہ وہ ذہنی ہوں یا فکری یا جسمانی۔

بدقسمتی سے دوسرے ایسے ہی اداروں کی مقرر کردہ اقدار نے جو مسلم معاشرے میں مغربی نظریات اور قوانین کی وجہ سے در آئی ہیں اس کی وجہ سے سماجی بہبود کے فروغ اور معاشی ترقی کو روک دیا ہے اور وقف اسلامی کی روشن اقدار اور افادیت کو نظروں سے اوجھل کر دیا ہے مختلف مسلم معاشروں اور حکومتوں نے اسلامی اوقاف کو قطعی کاروباری اداروں کی سطح پر رکھ کر دیکھنا شروع کر دیا ہے، اور ان کے ان بنیادی اور افادی پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

اس لیے یہ قطعی طور پر نہایت ضروری ہے اور لازمی ہے کہ فقہ اسلامی کے علماء اور مجتہدین کو متفقہ [illegible] پر غور و خوض کرنا چاہیئے اور ان مسائل کو درست کرنے کے لیے ایسا منشور تیار کرنا چاہیئے جو تمام اسلامی [illegible] اور حکومتوں کے لیے قابل قبول ہو۔

مندکرہ بالا حقائق کی روشنی میں ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے اس ضمن میں پہل کرتے ہوئے ایک مذاکرۂ عالمی ـــ مرتبہ و فلسفۂ وقف اسلامی کے انعقاد کا فیصلہ کیا جس کا تمام حلقوں اور ملکوں میں غیر معمولی خیر مقدم کیا گیا اور علماء، دانشوروں اور مفکرین فقہ اسلامی نے پورے انہماک اور توجہ سے شرکت فرمائی۔ مذاکرۂ عالمی کے چار روزہ اجلاسوں میں مسلم اوقاف کے مختلف مسائل پر مقالے پڑھے گئے اور ان کے مختلف پہلوؤں پر بحث و تمحیص ہوئی جس کے نتیجے میں مذاکرہ میں طے شدہ نکات پر یہ اعلان کراچی مرتب کیا گیا ہے۔

مذاکرۂ عالمی ـــ مرتبہ و فلسفۂ "وقف اسلامی" پوری طمانیت کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ:-

(۱) تمام حکومتوں کو عوام کے مفاد میں اوقاف کے مسائل پر ہمدردانہ رویہ اختیار کرنا چاہیئے اور تمام معاملات میں افہام و تفہیم پر عمل کرنا چاہیئے۔

(۲) حکومتوں کو چاہیئے کہ وقف کے تعلیمی اور خیر و فلاح کے کاموں کے [illegible] وں کی ضروریات کے مطابق عمارتوں کی تعمیر کے لیے مناسب اور ارزاں قیمتوں پر سرکاری اراضی فراہم [illegible]

(۳) حکومتوں کے اختیار میں زکوٰۃ اور دوسرے فلاحی فنڈز جو موجود ہیں ان میں سے اوقاف کے کاموں میں اعانت کے لیے مالی امداد کی فراہمی کی شرائط اور طریق کار کو آسان تر بنائیں تاکہ ان کا صحیح عوامی اور اسلامی مصرف ممکن ہو سکے۔

(۴) حکومتوں کو چاہیئے کہ مذہبی، خیراتی اور فلاح و بہبودِ عوام کے کاموں میں منہمک اوقاف کے اداروں کو تمام سرکاری ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دیں۔

(۵) اوقاف کی جائیدادیں اور اوقاف کے اداروں کے تحت کیے جانے والے کاروبار اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قطعی مختلف نہیں ہیں۔ اس لیے کہ وقف اداروں کے تحت کاروباری اور صنعتی وقف

ادارے جو سرمایہ فراہم کرتے ہیں، وہ وقف کے مقاصد کے تحت بہبودِ عوام کے لیے ہی خرچ ہوتا ہے، لہٰذا وقف جائیدادوں اور وقف کے کاروبار کو ایک ہی تصور کر کے عمل کیا جانا چاہیئے۔

(۶) اوقافِ اسلامی کی روح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وقف اداروں کی رجسٹریشن کے لیے مناسب قانون اور قواعد حکومتیں بنائیں تاکہ وقف اداروں کا تحفظ ہو سکے اور ان کے عدم استحکام کے خدشے دور ہو سکیں۔

(۷) اوقافِ اسلامی کے مقاصد کے حصول و فروغ کے لیے تمام اسلامی ممالک کے تعاون سے ایک مشترکہ اسلامی اوقاف سیکرٹریٹ قائم کیا جانا چاہیئے۔

(۸) ان ممالک کے تعاون اور اشتراک سے کہ جہاں معقول مسلم آبادی موجود ہے ایک بین الاقوامی وقف فنڈ کا قیام عمل میں آنا چاہیئے جس کے تحت ایسے پیداواری یونٹس کا قیام ممکن ہو سکے کہ جن کے ذریعے سے عوام کو جہالت، بیماری، خرابیٔ غذا اور خوراک کی کمی کی دشواریوں سے محفوظ رکھا جا سکے اور وقف سے متعلق دوسرے مقاصد کے حصول کو ممکن بنانے میں مالی استعانت ممکن ہو سکے۔

(۹) تمام ملکوں میں موجود وقف فنڈز سے سرمایہ کاری اور مالیاتی اعانت کا ایک ادارہ یا وقف بنک قائم کیا جانا چاہیئے تاکہ دنیا کے بعض ممالک میں جو وقف سرمایہ منجمد پڑا ہوا ہے اس کو مفادِ عام اور فلاحِ انسان کے لیے پیداواری عمل میں لگایا جا سکے۔

(۱۰) قائم کیے جانے والے اسلامی اوقاف ٹرسٹ کے ذریعے سے ہر دوسرے یا تیسرے سال اوقاف کے مسائل پر مذاکرۂ عالمی کے انعقاد کو ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کی طرف سے منعقدہ اس مذاکرۂ عالمی —— مرتبہ و فلسفۂ وقفِ اسلامی کی سطح کی طرح ممکن بنایا جانا چاہیئے۔

(۱۱) تمام دنیا میں اسلامی، تاریخی آثار و صنادید کے تحفظ اور نگہداشت کے لیے اوقاف کا ایک مشترکہ فنڈ قائم کیا جانا چاہیئے۔

(۱۲) اہم اسلامی تاریخی آثار و اسباب اور صنادید سے متعلق کتب اور سلائڈز کو اسلامی ممالک کے مابین باہمی تبادل کو ممکن بنایا جائے تاکہ برادرانہ اور رفیقانہ جذبات میں اضافہ ہو اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اس کے ساتھ ہی مذاکرۂ عالمی —— مرتبہ و فلسفۂ وقفِ اسلامی نے یہ بھی متفقہ طے کیا اور مشترکہ خواہش ظاہر کی کہ اجلاس کے منظور شدہ نکات کو کہ جو "اعلانِ کراچی" کے نام سے منسوب کیے جا رہے ہیں اور اس کے مندرجات اور مطالبات کے لیے ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان مناسب و مؤثر اقدامات کرے۔ مذاکرۂ عالمی —— مرتبہ و فلسفۂ اسلامی کا یہ اختتامی اجلاس ہمدرد کو اپنے مکمل تعاون اور اعانت کی پرخلوص یقین دہانی کراتا ہے۔
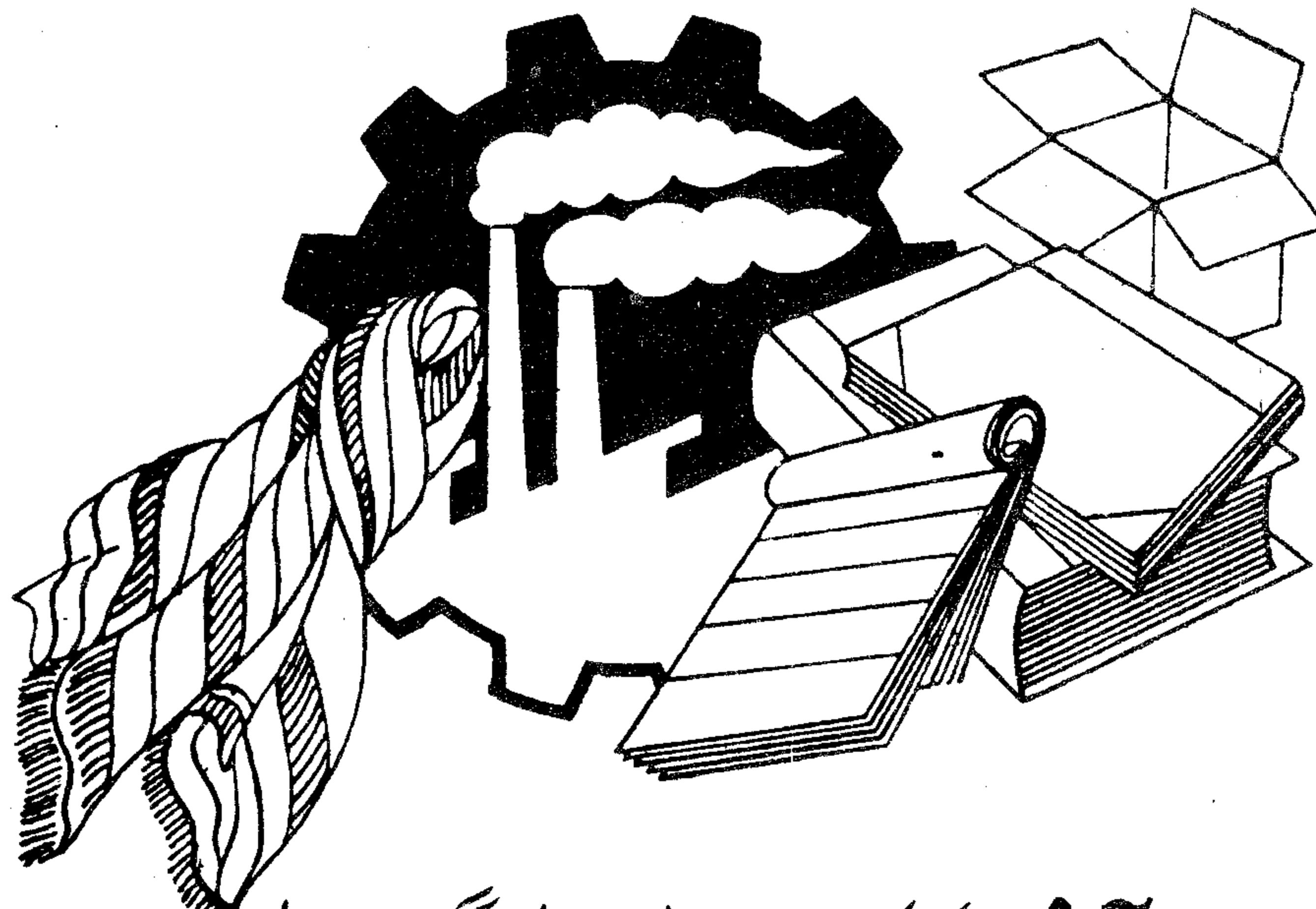
قارئین بنام مدیر
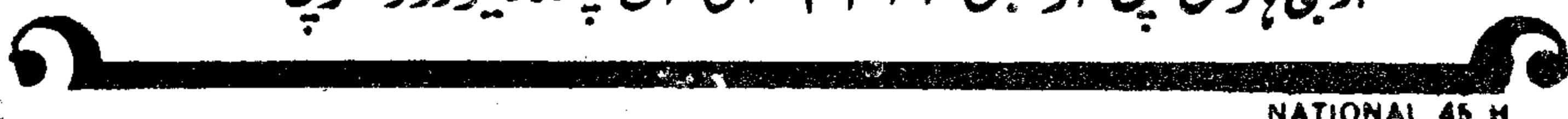
- برما میں کمیونسٹوں کے بے پناہ مظالم
- ہندوستان سے دو اہم تعزیتی مکتوب

افکار و تاثرات

برما اراکان میں کمیونسٹوں کے بے پناہ مظالم اور مسلمانوں میں بیداری کی نئی لہر

آثار و تاریخ سے مسلّمہ طور پر یہ بات ثابت ہے کہ ایک ہزار سال یا اس سے زائد عرصے سے مسلمان ارکان میں آباد ہیں۔ اور اسلامی طرز و طریقے پہ زندگی گذار رہے ہیں۔ اس دوران ان پر عروج و زوال کے مختلف ادوار آتے۔ مگر کوئی شئے ان کے قدموں کو متزلزل نہ کر سکی۔ لیکن ۱۹۴۲ء سے جس طرح انسانیت سوز مظالم و بربریّت کا آغاز ہوا وہ ایک انتہائی وحشت ناک المیہ ہے۔ جسے تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی۔ چنانچہ اسی سال اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) مسلمان انتہائی بے دردی سے شہید کئے گئے ہزاروں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے۔ یہیں سے ظلم کا دروازہ کھلا اور روز افزوں ظلم و تشدد بڑھتا گیا۔ ارکانی مسلمانوں کی بدقسمتی کہ ۱۹۴۸ء میں برما کو آزادی ملی اور انگریزوں نے ارکان کو برما کے ساتھ منسلک کر دیا۔ تو مذہبی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں کی بنا پر ارکانی مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا ایک اور باب کھل گیا۔ اور ان کے خون سے وہ ہولی کھیلی گئی کہ تاتاریوں کا ظلم و ستم بھی ماند پڑ گیا۔

ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ ۱۹۶۲ء کو کمیونسٹوں نے اقتدار پر قبضہ کر کے مارشل لاء اور انقلاب کا اعلان کر دیا۔ کمیونسٹوں نے مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جیسا کہ ان کے آقاؤں نے روس میں مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ بلکہ اس سے بدتر، تاریخ میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کا واضح مقصد مسلمانوں کی نسل کشی اور سرزمین ارکان کو مسلمانوں کے لئے تنگ کرنا ہے۔ حصول مقصد کی خاطر کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ ہر وہ حربہ استعمال کیا جس کی وہ استطاعت رکھتے تھے۔ ۱۹۷۴ء میں حکومت برما نے مکمل سوشلزم نافذ کر کے مسلمانوں کو جن تکالیف و مصائب میں مبتلا کر دیا وہ ناقابلِ بیان ہے۔ حتیٰ کہ مذہبی، سیاسی اور شہری حقوق سے بھی محروم کر دیا۔ اس سے بڑھ کر نقل و حرکت پر بھی پابندی عائد کر دی جس کی وجہ سے مسلمان مادرِ وطن ارکان میں بھی اجنبی، قید و بند اور انتہائی کس مپرسی کی حالت میں زندگی گذار رہے ہیں۔ اور لاکھوں افراد ظلم و ستم سے تنگ آکر مختلف اکناف عالم میں ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

آزادی کے بعد سے ملک میں چودہ۱۴ بار بڑے بڑے ڈراگون آپریشن ہوئے اور تشدد کے باعث پانچ چھ دفعہ مسلمان وطن عزیز چھوڑنے پہ مجبور ہوئے۔ قابلِ ذکر آپریشن جو اسّی کی دہائی یعنی ۱۹۷۸ء میں ہوا جس میں حکومت برما

کے ظلم و بربریت سے تنگ آکر تین لاکھ سے زائد مسلمان پڑوسی ملک بنگلہ دیش ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور مختلف حادثات کا شکار ہوکر تقریباً چالیس ہزار جانیں ضائع ہوگئیں۔

ابھی گذشتہ رمضان یعنی ۱۴۰۸ھ کو پانچ مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ اور بہت سوں کو زخمی کر دیا۔

افسوس اس بات پر ہے کہ اس وقت پچاس کے قریب مسلمانوں کی مستقل حکومتیں ہیں۔ مذہبی بنیاد پر تو درکنار انسانی بنیاد پر بھی کبھی معقول خبرگیری نہیں کی۔ مذکورہ مظالم کے سدّباب اور حقوق کی بحالی کے لئے اس سے قبل ارکان میں بہت سی تنظیمیں بنیں اور بہت سی تحریکیں چلیں۔ مگر صحیح اسلامی طریقے اور بنیادی اصول و ضوابط سے عاری ہونے کی وجہ سے یہ تنظیمیں اور تحریکیں اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں۔ ان تمام حالات اور واقعات کے پیش نظر مسلّمہ تنظیمی اصول وضوابط کے تحت صحیح اسلامی خطوط پر ایک تنظیم قائم کرنے کی ضرورت عرصہ دس سال سے شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی تھی۔ لہٰذا گذشتہ تین سالوں میں برما، بنگلہ دیش، پاکستان، سعودیہ، ملائیشیا اور تھائی لینڈ کے مختلف دورہ جات اور ہر ملک میں بسے ہوئے ہماری برادری کے اہل علم، اصحاب فکر دانشوروں اور بااثر سماجی شخصیات کے مشوروں اور منظوری کے بعد ایک تنظیم بنام اتحاد المجاہدین ارکان بورما کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ جس کا مرکز بنگلہ دیش میں ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان اور سعودیہ کی سطح پر بھی اس کی باضابطہ شاخیں قائم ہوچکی ہیں۔ اور الحمدللہ اتحاد المجاہدین ارکان بورما کو بنگلہ دیش کے بزرگ اور سرکردہ علمائے کرام کی باقاعدہ تائید و حمایت بھی حاصل ہے۔

اور اتحاد المجاہدین ارکان بورما کے ساتھ اب تک چھوٹی بڑی پانچ تنظیموں نے باقاعدہ انضمام اور تین تنظیموں نے اتحاد کر لئے ہیں۔ مزید کچھ تنظیموں کے نمائندوں سے مذاکرات جاری ہیں۔ اب ہم عالم اسلام، اسلامی تنظیموں اور قوم ملت کے ہمدرد اور جلیل القدر علمائے کرام سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ ارکان میں اعلائے کلمۃ اللہ اور مظلوم مسلمانوں کے غصب شدہ حقوق کی بحالی کے لئے قائم شدہ تنظیم "اتحاد المجاہدین ارکان بورما" کی ہر طرح مدد کی جائے۔ نیز مشوروں و تجاویز کے ذریعے اس کی رہنمائی و سرپرستی کی جائے۔

اللہ پاک مسلمانوں کو سربلندی عطا کرے اور کافروں کو نیست و نابود کرے۔ (اتحاد المجاہدین ارکان بورما)

دو اہم تعزیت نامے

۱۲ر جون ۱۹۸۸ء

برادر مکرم و محترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا

خدا کرے آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت فیوضہم اور خود آپ اور سب متعلقین بخیر و عافیت ہوں ــــ ۱۳ر رمضان المبارک کا مرقومہ گرامی نامہ ماہ مبارک ہی میں مل گیا تھا جس میں آپ نے اپنی والدہ ماجدہ

مرحومہ و مغفورہ کے حادثۂ رحلت کی اطلاع دی تھی۔ اپنے معمول کے مطابق مرحومہ مغفورہ کے لئے دعا کا اہتمام نصیب ہوا۔ اور جب بھی یاد آجاتا ہے دعا کرتا ہوں۔ اگرچہ بصیغۂ عموم دعا کا مستقل معمول ہے اور یہ عاجز اس کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتا ہے۔

اس دنیوی زندگی میں والدہ ماجدہ محترمہ کی جو خدمت آپ کر سکتے تھے اس کا دروازہ تو بند ہو گیا لیکن ان کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا اور ایصالِ ثواب کا دروازہ آپ کے لئے زندگی بھر کھلا رہے گا۔ اور آپ کی یہ خدمت انشاء اللہ محترمہ مرحومہ کے لئے دنیوی زندگی کی خدمات سے زیادہ نفع مند اور زیادہ مسرت کا باعث ہوگی۔ اس بارے میں احادیث میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ سب آپ کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ اس عاجز کو بھی محترمہ مرحومہ کے لئے دعاؤں کے اہتمام کی خاص توفیق عطا فرمائے۔

حضرت والد ماجد مدظلہ کی خدمت میں اس عاجز کا سلام اخلاص عرض کیا جائے۔ اور دعا کی درخواست آپ سے بھی دعا کا طالب ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے حق کے مطابق دعا کا اہتمام اس عاجز کو نصیب فرمائے۔ اور قبول فرمائے۔

جو عزیز میرے خطوط لکھتے ہیں وہ اواخر رمضان المبارک میں وطن چلے گئے تھے حال ہی میں واپسی ہوئی ہے اس لئے یہ عریضہ تاخیر سے لکھا جا سکا ہے۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

محمد منظور نعمانی۔ لکھنؤ

۱۷/جون ۸۸ء

محترم و مکرم جناب مولانا سمیع الحق زادہ مجدہٗ

سلام مسنون! مرسلہ ملفوف پہنچا۔ یاد فرمائی کا شکریہ! والدہ ماجدہ کے انتقال کی خبر سے ہم سب کو سخت صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ مدرسہ میں بھی ایصال ثواب کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں بھی سلام کے بعد کلماتِ تعزیت پیش فرما دیں۔

اہلیہ کو بھی بہت صدمہ ہوا۔ وہ بھی سلام اور کلماتِ تعزیت پیش کرتی ہیں۔ باقی سب خیریت ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی کی طبیعت پچھلے دنوں خراب ہو گئی تھی اور اب الحمدللہ بعافیت ہیں۔ اسفار بھی شروع ہو گئے ہیں۔ ۲۲/جون سے انگلینڈ۔ امریکہ۔ کناڈا اور فرانس کا سفر شروع ہوگا۔ واپسی حج کے بعد ہوگی انشاء اللہ۔

لواحقین اور پرسان احوال حضرات سے سلام فرما دیں۔ دعواتِ صالحہ میں یاد رکھیں۔ خدا کرے مزاج بعافیت ہوں۔

فقط والسلام طالبِ دعا احقر رشید الدین۔ مراد آباد

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف وتبصرۂ کتب

امانی الاحبار شرح معانی الآثار از مولانا محمد یوسف کاندھلوی ۔ چہار جلد، عمدہ آفسٹ کاغذ، عمدہ طباعت مضبوط جلد بندی ۔ قیمت مکمل سیٹ ۲۴۰ روپے ۔ ناشر ۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

اللہ تعالیٰ نے علوم نبوت کی حفاظت و ترویج، تحقیق و تشریح، اشاعت و تبلیغ اور خدمت و تدریس کا جو کام اس صدی میں اکابر علماء دیوبند سے لیا ہے بظاہر اس قرن میں اس کا تصور بھی مشکل تھا ۔ اکابر علماء دیوبند نے حدیث کی اہم کتابوں پہ عربی، اردو حاشئے اور شروحات لکھے ۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی فیض الباری عرف شذی ۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی بذل المجہود، مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی التعلیق الصبیح اور سیرت المصطفیٰ ۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی لامع الدراری، الکوکب الدری، اوجز المسالک اور تقریرات بخاری، علامہ انور شاہ اور علماء دیوبند کے درسی افادات کا گراں قدر مجموعہ انوار الباری ۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی ترجمان السنۃ ۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی معارف السنن ۔ مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی اعلاء السنن، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی فتح الملہم اور فضل الباری شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی ۔

اس کی زندہ و جاوید اور غیر فانی مثالیں ہیں اور پیش نظر کتاب "امانی الاحبار" تو علوم نبوت کی شرح و توضیح کا لازوال شاہکار ہے ۔ جو مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی تالیف لطیف ہے ۔ بقول شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ کے "امام طحاوی کی "شرح معانی الآثار" حدیث کے فن میں ہائیکورٹ کا درجہ رکھتی ہے ۔ امانی الاحبار اسی کتاب کی تفصیل و توضیح ہے ۔ علم حدیث اور امانی الاحبار سے شغف رکھنے والے علماء جانتے ہیں کہ مؤلف نے جب اس کے لکھنے کا فیصلہ کر لیا تو اس نے اپنے پر اس کی تصنیف و تالیف اور تکمیل کا حال طاری کر دیا ۔ اور ان کا مشغلہ اور ان کا ذوق، ان کی فکر ۔ ان کی سوچ ان کا ہمہ وقت کام اور ان کی ترجیحی ضرورت ان کی فراغت اور ان کی مصروفیت بس یہی مشغلہ تھا ۔ ان دنوں ان کا ذوق وہی تھا جو ان کے مربی و استاد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا تھا ۔ اور اس میں کامیاب رہے ۔ حتیٰ کہ فن حدیث کی معرکۃ الآرا کتاب "الامانی الاحبار" کے لکھنے میں وہ کامیاب ہو گئے ۔

جس کے شروع میں ۸۶ صفحات پر مشتمل دو ابواب میں وقیع مقدمہ ہے ۔ پہلے باب میں ۱۶ فائدے اور دوسرے باب میں دو فائدے مذکور ہیں ۔ پہلے باب کے فوائد میں امام طحاوی اور ان کی کتاب کے متعلق تفصیلی کلام کیا گیا ہے ۔ دوسرے

باب کے دو فوائد میں سے ایک میں سند کا ذکر ہے۔ اور دوسرے فائدے میں ان امور کا ذکر ہے جن کا اہتمام و التزام مصنف نے اس کتاب میں فرمایا ہے۔ تقریباً ۳۶ صفحات پر کتاب کے اسماء الرجال اور اشارات کی فہرست ہے جو مستقل ایک اہم عنوان ہے۔ امانی الاحبار فنِ حدیث میں اسلاف کے طرز پر نہایت عمدہ اور غیر فانی شاہکار ہے۔ جو اکابر علماء دیوبند کے حدیثی افادات اور عظیم تاریخی خدمات کے تسلسل کی ایک کڑی ہے۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ کے مالک الحاج محمد اسحاق صاحب باہمت اور باذوق نوجوان ہیں۔ امانی الاحبار کو پاکستان میں پہلی مرتبہ طبع کرایا ہے۔ یقین ہے کہ علمی و تحقیقی ادارے اور علم حدیث سے اشتغال رکھنے والے احباب اس کی پذیرائی اور قدر کریں گے۔

عنوان الشرف الوافی فی الفقہ والنحو والتاریخ والعروض والقوافی	تالیف، علامہ شرف الدین ابن المقریٔ اسماعیل الیمانی صفحات ۱۲۲ ناشر، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ د/ ۴۳۷ جی۔ای کراچی ۵

پیشِ نظر کتاب علامہ شرف الدین ابن المقری اسماعیل بن ابی بکر الحسینی الیمانی کی گراں قدر شاہکار اور لطیف تصنیف ہے۔ علامہ موصوف ایک نابغہ روزگار شخصیت اور جیّد عالم تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جو اپنے انوکھے اور دلچسپ طرز کی وجہ سے دیگر مصنفات سے فائق اور ممتاز ہیں۔

علامہ موصوف ذکاوت و استخراج دقائق میں عجیب ملکہ کے مالک تھے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ذہن رسا، طبیعت میں جودت اور فطرت میں فطانت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی جس کی وجہ سے ان کی تصنیفات کو بھی ایک ممتاز مقام ملا۔ "عنوان الشرف الوافی" ان کے دلچسپ اور حیرت انگیز کارناموں میں ایک بلکہ دلچسپ مضامین اور حیرت افزا تالیفی منہج کی وجہ سے بہت ممتاز و مقبول ہے۔ کتاب میں بیک وقت ایک ہی عبارت میں پانچ علوم بیان کئے گئے ہیں۔

اصل کتاب فقہ الشافعی میں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں علم نحو۔ علم التاریخ۔ علم العروض اور علم القوافی کو بھی نہایت ہی حسین ترتیب کے ساتھ مختصر مگر جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے کتاب سے ان علوم خمسہ کے استخراج اور باقاعدہ استفادہ اور مطالعہ کے طریقہ یہ ہے کہ اگر کتاب کی عام اور رواں عبارت پڑھی جائے تو یہ فقہ الشافعی میں ہو گی اور اگر سطور کے اوائل کو پڑھا جائے تو یہ علم عروض کی تصنیف ہے۔ اور اگر سطور کے درمیانی حصہ کو پڑھا جائے تو وسط اول میں تاریخ اور وسط ثانی میں علم النحو کو پائیں گے اور اگر سطور کے اواخر پر نظر ڈالی جائے تو یہ علم القوافی کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔

کتاب کے آخر میں مصنف کا قصیدہ البائیۃ ذو مثلثۃ منسلک کیا گیا ہے جس کا انداز بھی اصل کتاب کی طرح عجیب و غریب حیرت زا دلچسپ، نرالا اور منفرد ہے۔ اس میں مصنف نے یہ التزام کیا ہے کہ مصرعہ کے آخر میں ایسا کلمہ لایا ہے جس کا استعمال تین طریقوں سے کیا جا سکتا ہے فتحہ ضمہ کسرہ (زبر زیر پیش) تینوں اعراب پڑھے جا سکیں اور وہ درست بھی ہوں اور ساتھ ساتھ اس کے معانی اور مواضع استعمال بھی بیان کئے ہیں بہر حال لطف تب آئے جب اہل علم کتاب کا مطالعہ کریں۔ یقین ہے کہ اہل علم اس کی قدر کریں گے۔

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم پٹڈ
نب کے
ساتھ
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
جوبلی انشورنس ہاؤس آئی آئی چندریگر روڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب

REGD. NO. P-90